
تلاشِ سکوں

تلاشِ سکون

اور

دُوسرے افسانے

از

خواجہ عبدالوحید

ناشران

تاج کمپنی لمیٹڈ۔ ریلوے روڈ۔ لاہور

فہرست

تلاشِ سکون

(۱)

وُہ تمام دُنیا سے بدگمان ہو چکا تھا۔ دُنیا کی تمام دلچسپیاں۔ عالمِ کائنات کی گوناگوں نیرنگیاں۔ صحیفۂ ہستی کے دلفریب مناظر۔ منصّۂ شہود پر جلوہ گر ہونے والی سحر آفرین صُورتیں۔ کوئی چیز نہ تھی جو اُسے اپنا والہ و شیدا بنا سکتی۔ اُس کا دل پژمردہ ہو چکا تھا۔ اُس کی حسرتیں بیدردی سے پامال کی جا چکی تھیں۔ اُس کی آرزوؤں کا بے رحمی کے ساتھ خُون کیا جا چکا تھا ؀

وہ نہیں جانتا تھا کہ دل کی اس پژمردگی۔ حسرتوں کی اس پامالی۔ آرزوؤں کے اس خُون کا ذمّہ دار وہ خود تھا یا دُنیا اور دُنیا والے۔ وہ اِس سوال کا جواب دُنیا والوں سے طلب کرتا تھا۔ لیکن کوئی نہ تھا جو اس کے پیش کئے ہوئے سوال پر متانت سے غور کرتا۔ وُہ ایک

ایک سے پُوچھتا کہ اضطراب و بے چینی طبع کے اسباب کیا ہُوا کرتے ہیں۔ لیکن ہر ایک اپنی اپنی راحت میں مستغرق تھا اور اس لئے اضطراب و بے چینی کا تخیّل پیدا کرنے اور اُس کے اسباب و عِلل اور پھر علاج پر غور کرنے سے قاصر تھا ؛

فلسفہ کی کتابوں میں کبھی کبھی اُسے اس موضوع پر کچھ لکھا مل جاتا۔ لیکن یہ اُس کو اور بھی درد و کرب کا شکار بنا دیتا۔ شاپن ہار کے الفاظ نے اُسے مغموم سے مغموم تر بنا دیا۔ اس لئے کہ اس کے فلسفہ میں ہر طرف غم و اندوہ کا عالم چھا رہا تھا۔ زندگی مصائب کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ اور ناکامیوں اور حسرتوں کا ایک مجموعہ نظر آتی تھی ؛

سب سے اہم سبق جو اُس نے حاصل کیا یہ تھا کہ جس قدر وہ فلسفہ کی کتابوں میں اطمینان اور سکون تلاش کرے گا۔ جس قدر اُس کا مطالعہ وسیع۔ مشاہدہ اور غور و فکر عمیق ہو گا۔ اُسی قدر اضطراب و بے چینی۔ درد و اندوہ۔ یاس و حسرت کی زیادتی ہو گی۔ جس قدر زندگی کی حقیقت کا علم حاصل ہو گا۔ اُسی قدر زندگی کی مصائب زیادہ واضح اور دل نشین ہوں گی۔ اُسی قدر راحت مفقود اور آسائش عنقا معلوم ہو گی ؛

یہ سب کیوں تھا؟ کیوں زندگی کا ہر واقعہ اُس کے لئے غور و فکر کا ایک حیران کُن باب کھول دیتا تھا؟ دُنیا کا ہر چھوٹا بڑا واقعہ کیوں

اُس کے جولانِ فکر کے لئے ایک وسیع میدان پیش کر دیتا تھا۔ دن رات میں پیش آنے والا ہر حادثہ جو اوروں کی نظروں سے اوجھل رہتا۔ کیونکہ اُس کے لئے ایک نئی ذہنی پریشانی کا باعث بن جاتا تھا ÷

وہ دن کس قدر اچھّے تھے جب کہ کم عُمری اور بے سمجھی کی بنا پر اُسے سوائے راحت و انبساط کے اور کچھ معلوم نہ تھا۔ زندگی اُس کے لئے ایک "تبسّم" تھی اور کس قدر پریشان کُن اُس کی زندگی کے موجودہ ایام تھے۔ جب کہ وہ یہ سمجھ چکا تھا کہ زندگی ایک "گریۂ غم" کے سوا کچھ بھی نہیں ÷

(۲)

وہ دُنیا اور دُنیا والوں کے حالات پر جس قدر غور کرتا یہی پاتا کہ کسی جگہ سکون و اطمینان نہیں۔ اُس نے اِس چیز کی تلاش میں فلسفہ کا مطالعہ تو شروع کر دیا تھا۔ لیکن ایک ایسی بھُول بھلیاں میں پھنس گیا کہ کھُلی ہوا کی بے راہروی سے بھی محروم رہ گیا۔ دُنیا میں پہلے کبھی کبھی اُسے اپنے دوستوں کی بظاہر دلفریب زندگیوں کی کوئی جھلک آکر اطمینان دینے کی کوشش کر جاتی تھی۔ لیکن اب وہ باب اُمید بھی مسدود ہو گیا تھا۔ اِس لئے کہ دُنیا کے حالات پر وقتِ نظر کے ساتھ غور کرنے پر اُسے معلوم ہُوا تھا کہ اِس مادی دُنیا میں جو کچھ ہے غم ہے۔

کشمکش ہے۔ فنا ہے۔ یہاں نہ خوشی کا وجود ہے نہ سکون کا۔ نہ بقا کا۔ یہی وجہ تھی کہ جب کوئی قصہ نویس کوئی داستان لکھنے بیٹھتا تو ہجر و فراق کا حال طویل پیرائے میں بیان کرتا۔ محب و محبوب کے مصائب۔ رقیبوں کی دشمنی۔ منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے پیش آنے والی تکالیف کا حال پوری تفصیل کے ساتھ بیان کرتا۔ اور جب بالآخر دونوں ایک دوسرے کو پا لیتے تو قصہ ختم ہو جاتا۔ اِس لئے کہ جب خوشی کا زمانہ آتا تو پھر کچھ نہ تھا جو دکھانے کے قابل ہوتا۔ دُنیا والوں کے سامنے پیش کرنے کی چیز داستانِ غم تھی۔ جب وہ ختم ہو گئی تو قصہ بھی ختم کر دیا گیا۔ خوشی کی زندگی جب تک حاصل نہ تھی اُس سے بڑی بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں لیکن جب حاصل ہو گئی تو معلوم ہُوا کہ اس میں کچھ بھی نہ تھا۔ اور جب کچھ نہ تھا تو دوسروں کے سامنے کیا پیش کیا جا سکتا تھا۔

وہ تھیئٹروں میں جاتا۔ ہر ڈرامہ حق و باطل۔ نُور و ظُلمت۔ نیک و بد کی کشمکش کے ایسے مناظر پیش کرتا۔ جن میں ہیرو اور ہیروئن ایک دوسرے سے ملنے کے لئے منازلِ پُرخطر طے کرنے کی کوشش کرتے۔ وہ اُس کنارۂ عافیت تک پہنچنے کی کوشش کرتے نظر آتے جس پر ہر طرف اطمینان۔ راحت اور خوشی چھائی معلوم ہوتی لیکن جب مصائب کا بحرِ زخار عبور کر لیا جاتا۔ دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیئے کنارے پر کھڑے

ہو جاتے تو ڈرامہ ختم ہو جاتا۔ اِس لئے کہ اب کچھ بھی نہ تھا جو دکھایا جا سکتا غم تو حقیقت رکھتا تھا۔ اِس لئے اُس کا افسانہ پیشِ ناظرین کر دیا گیا۔ خوشی ایک موہوم چیز تھی۔ اِس لئے اُس کا کوئی حال ایسا نہ تھا جو دیکھا اور دکھایا جا سکتا۔

وہ دوستوں سے مل کر اطمینان حاصل کرنا چاہتا۔ لیکن اُن میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو اس چیز کا حامل ہوتا۔ دُور سے ہر ایک کی زندگی قابلِ رشک نظر آتی تھی لیکن قریب آنے پر زندگی کی دلفریبی معدوم ہو جاتی۔

وہ قدرت کے مناظر کی طرف رجوع کرتا۔ لیکن وہاں بھی اطمینان حاصل نہ ہوتا۔ چاند کی حیات پرور اور نظر فریب روشنی اپنے اندر اُس کے لئے ایک خاص کشش رکھتی تھی۔ وہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر شہر سے دُور نکل جاتا اور ایسی سڑکوں پر پھر پھر کر رات آنکھوں میں کاٹ دیتا جہاں کھجور کے فلک بوس درخت چاندنی میں عجب بہار دکھا رہے ہوتے۔ وہ دریا کے کنارے بیٹھ کر مچھلیوں کا تماشا دیکھتا۔ جو کبھی کبھی دم لینے کے لئے پانی کے اُوپر کودتی نظر آتیں۔ وہ شہر کے دلفریب باغوں میں بیٹھتا اور نظر چاند کی طرف لگائے رہتا۔ لیکن اطمینان کہیں نصیب نہ تھا۔

کبھی کبھی وہ موسیقی سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتا۔ خوبصورت چہرہ۔ تصویر۔ موسیقی۔ شعر۔ ناچ یہ سب ایک ہی چیز کے مظاہر ہیں۔

ہر ایک کے اندر حسن نئے روپ میں جلوہ گر ہے۔ تصویر خطوط کا حسن۔ موسیقی آواز کا حسن۔ شعر الفاظ کا حسن۔ اور ناچ حرکات کا حسن ہے۔ اور حسن ہر صُورت میں دلفریب ہے۔ بشرطیکہ فطرت سلیمہ ہو اور ذوق صحیح ہو۔ اِن میں سے اُس نے موسیقی کو پسند کیا تھا اور اُس کے ساتھ لگاؤ بھی پیدا کیا لیکن موسیقی اگر دلفریب ہوتی تو تھوڑے عرصے کے لئے۔ جس وقت گانے والے کی آواز بند ہو رہی ہوتی اور ہارمونیم کی سُریں مدہم پڑنے لگتیں۔ اُس کا دل بھی بیٹھنے لگتا۔ تا آنکہ ایک طویل خاموشی چھا جاتی جس میں وہ بالکل گم ہو جاتا ٭

چونکہ موسیقی مقابلتہً ایک بے خطر چیز تھی اُس نے اسے دل کے بہلانے کے لئے پسند کر لیا تھا۔ لیکن جب یہ غیر مفید ثابت ہوئی۔ تو وہ حسن کے دُوسرے مظاہر کی طرف توجہ کرنے کی جُرأت نہ کر سکتا تھا ٭

اب وہ دوستوں کی طرف متوجہ رہنے لگا۔ چونکہ اطمینان کی عدم موجودگی اُس کو دُنیا کے ہر کام کے ناقابل بنا رہی تھی۔ زندگی کے فرائض سے غافل کر رہی تھی۔ اِس لئے اُس نے اطمینان کے حاصل کرنے کے لئے عمداً فرائض کی ادائیگی میں تساہل برتنا شروع کیا۔ وہ ایک ایک دوست کے لئے وقت کی قُربانی کرنے پر آمادہ ہو گیا کہ شاید اِس طریق سے دُنیا کی وہ خوشی جو اب تک ایک موہوم شے ثابت ہوئی تھی کوئی حقیقت

ثابت ہو جائے۔ اِس لئے کہ اُس نے سُنا ہُوا تھا۔ یا پڑھا ہُوا تھا کہ دوستوں کی موجودگی تھوڑی سی راحت کو بہت بڑا بنا دیتی ہے۔ جب ہم قُدرت کے مناظر کا نظارہ کرتے ہیں۔ تو گو وہ ہر حال میں ہمارے لئے نظر فریب ہوتے ہیں لیکن جب اُن کا عکس ہمارے دوستوں کی آنکھوں پر پڑ کر ہماری طرف آتا ہے تو گونا گوں دلچسپیوں اور سحر آفرینیوں کے ساتھ ہمارے قلب پر اثر ڈالتا ہے لیکن جب وہ دوستوں کے ساتھ سَیر کے لئے جاتا تو معلوم ہوتا کہ ہر دوست کو اپنی ذاتی دلچسپیاں سَیر کا لُطف نہ لینے دیتیں شاذونادر ہی کوئی دوست ایسا ملتا جو اُس کی موجودگی سے راحت پاتا۔

جب کبھی وہ دوستوں کی محفل میں راحت تلاش کرتا سب کسی اور کی دُھن میں محو و سرشار نظر آتے اِس قدر محو و سرشار کہ اسکی خوشی اور راحت کا خیال کسی کو نہ آتا بلکہ وہ اس کی ملاقات اور معیت کو اپنے خیالات میں خارج ہوتا محسوس کرتے۔

اور دوستی کے بارے میں آخری ضرب جو اُس کے حساس دل پر پڑی وہ تھی جو اُس کے عزیز ترین دوست کے تغافل کا نتیجہ تھی۔ اُس دوست کے ملنے کے لئے وہ اکثر بے چین رہتا تھا اُس کے ساتھ مل کر بیٹھنے کے لئے ایک لمحہ بھی اُسے مل جاتا تو وہ اپنی خوش قسمتی سمجھتا۔ اُس کی مصاحبت میں چند لمحے گزارنے کے لئے وہ سردی کے موسم میں رات کی کپکپا دینے والی

سردی میں میلوں کی مسافت طے کر کے جاتا۔ گرمی کے دنوں میں دوپہر کی دھوپ بھی اُس کو زندگی کے اس وظیفے سے نہ روک سکتی۔ اور وہ کچھ عرصہ کے لئے اپنے آپ کو شاہدِ مقصود سے ہم کنار پانے لگا۔ لیکن رفتہ رفتہ اُسے معلوم ہُوا کہ وہ دوست جس کے لئے وہ دُنیا کی ہر ہستی کو چھوڑ دینے پر تیار رہتا تھا۔ جس کے پاس بیٹھنے کے لئے وہ ہر دلچسپی کو ہیچ سمجھتا تھا۔ جس کے دیکھنے کے لئے وہ ہر فرض کو ترک کر دیتا تھا وہ کسی اَور کی زُلفِ پیچاں میں ایسا گرفتار تھا کہ اُس کی طرف دل سے متوجہ نہ ہو سکتا۔ وہ اگر اُس کے پاس بیٹھتا تو دل اُس کا کہیں اور ہوتا۔ باتیں اِس سے کرتا لیکن خیال کسی اَور کی طرف رہتا۔ یہاں تک کہ بالآخر وہ اُسے تنہا چھوڑ کر اُٹھ جاتا۔

یہ چیز اُس کے ٹوٹے ہوئے دل کے لئے موت کا سامان بن گئی۔ اُس کی اُمیدوں اور آرزوؤں کا آخری سہارا بھی جاتا رہا۔ اور اب ہر طرف یاس و ناامیدی تھی۔

اب وہ حیران تھا کہ کیا کرے۔ توجہ کو کس طرف لگائے۔ اس خیال میں اُس نے فلسفے کا مطالعہ پھر شروع کیا۔ اب اُس کے مطالعہ میں وہ فلاسفر آئے۔ جو زندگی کو زندہ رہ کر آزمانے کے حق میں تھے۔ انھوں نے اس کو بتایا کہ زندگی کے اسباب سب کے لئے یکساں ہیں۔ انسان خود

اُن کو بُرا یا بھلا بناتے ہیں۔ حالات ہر شخص کے لئے یکساں ہوا کرتے ہیں۔ لوگ خود اُن کو موافق یا ناموافق بنا لیتے ہیں۔ اس لئے اگر وہ غمگین ہے تو غم اُس کا اپنا پیدا کیا ہُوا ہے۔ اگر دُنیا اُس کے لئے دارالمحن ہے تو یہ اُس کا اپنا قصور ہے ؛

(۳)

اب زندگی کی دلچسپیوں پر اُس نے بڑے بڑے مقالے پڑھے۔ جن میں بتایا گیا تھا کہ دوستی، مطالعہ کُتب، مناظرِ قُدرت۔ ادائے فرض۔ ہمدردیٔ انسانی اور عشق و محبّت یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ اُن میں سے ہر ایک زندگی کی غمگینی کو محو کر دے سکتی ہے۔ اُن میں سے ہر ایک ایسی چیز ہے کہ اُس کا حظ اُٹھانے کے لئے انسان زندہ رہے ؛

کیا واقع میں ایسا ہی تھا۔ اُس نے دوستوں کو آزما لیا تھا! وہ دوستی میں کوئی حقیقی عملی راحت نہ پا سکا تھا۔ مطالعہ کُتب کا وہ ایک ایسا والا وشیدا تھا کہ باوجود ضُعفِ بصارت کے سڑکوں پر چلتے ہوئے بھی وہ فلسفہ سائنس اور تاریخ کی کتابوں کے مطالعہ میں منہمک نظر آیا کرتا تھا۔ مناظرِ قُدرت کا لُطف اُٹھانے کے لئے وہ رات کی نیند چھوڑ دینے کا عادی تھا۔ ادائے فرض بھی کبھی اُس کا طُغرائے امتیاز تھا۔ ہمدردی انسانی اُس کے سینہ میں کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ عزیزوں

اور دوستوں کی تکلیف میں اپنی تکلیف بھول جاتا۔ اُن کو راحت پہنچانے میں ہر قسم کی قربانی پر آمادہ رہتا ؛

یہ سب چیزیں آرام اور راحت پہنچانے میں ناکام رہی تھیں۔ اور اب فقط ایک چیز اور صرف ایک چیز رہ گئی تھی اور وہ محبّت تھی ؛

اگر محبّت کا وسیع مفہوم لیا جائے اور اُس میں دو ہستیوں کے درمیان رابطہ اور اُنس مقصود ہو تو اس کا وہ تجربہ کر چکا تھا۔ دوستوں سے اُسے محبّت تھی۔ بہن بھائیوں سے اُسے محبّت تھی۔ لیکن اُس کی یہ محبّت بھی بے کار ثابت ہو چکی تھی۔ کسی طرف سے اُس کا جواب نہ ملا تھا ؛

لیکن اگر محبّت کا مفہوم یہ ہو کہ وہ دو مختلف صنفوں کے افراد کے درمیان ہو تو وہ اس سے اب تک محروم تھا۔ کسی حسین عورت کے سحر نے ابھی تک اُسے از خود رفتہ نہیں کیا تھا۔ بڑی بڑی حسین صورتیں اُس کے سامنے جلوہ افروز ہوئیں۔ بڑی بڑی کافرادا اُس کے سامنے نمائشِ حسن کر چکی تھیں۔ بڑے بڑے دلکش چہرے اُس کے سامنے آچکے تھے لیکن اُس کا پائے استقلال کبھی نہ ڈگمگایا تھا ؛

لیکن کیا اب وہ اس عالم کی بادیہ پیمائی بھی کرے۔ کیا اُسے اب کسی کی چشمِ پُرسحر کے اثر سے متاثر ہو جانا چاہیئے۔ کسی کے تیرِ نظر سے

گھائل ہو کر تڑپنا چاہیئے۔ کسی کے حسنِ عالم افروز کا شیفتہ ہو جانا چاہیئے۔

ایک روز وہ اس سوچ میں شہر سے باہر دُور دریا کے کنارے ایک پُرانی بارہ دری میں بنچ پر بیٹھا ہُوا تھا۔ چاندنی رات تھی اور چاند بھی چودھویں کا۔ دریا پر بالکل خاموشی کا عالم چھا رہا تھا۔ ہوا بھی بند تھی۔ وہ دریا کی طرف مُنہ کئے نیم باز آنکھوں سے پانی کو دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیا اس وقت صنفِ نازک کی کوئی فرد اگر اُس کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے اُس کے ساتھ یہاں بیٹھی ہو۔ یا اس چمن میں جو بارہ دری کے عقب میں تھا مصروفِ گلگشت ہو تو وہ زندگی کی خوشی پالے۔ اُس کا ذہن ایک ایسے عالم کے مناظر اُس کے سامنے پیش کر رہا تھا جہاں ہر طرف بہار چھا رہی تھی۔ رنگارنگ کے پھول صانعِ حقیقی کی قُدرت کے مظاہر پیش کر رہے تھے بُلبلیں پھولوں پر نثار ہو رہی تھیں۔ ہر طرف آبِ رواں نظر کو فرحت پہنچا رہا تھا اور پاس ہی وہ اور کوئی اور محوِ سیر تھے۔ اُس کا دل خوشی سے لبریز اُس کی آنکھیں شرابِ حسن سے مخمور۔ اُس کا جسم احساسِ محبت سے کانپ رہا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ کیا یہ یا ایسا ہی کوئی نظارہ حقیقت میں راحت کا

باعث بن سکتا ہے۔ یا قریب جانے پر ایک سراب ہی ہوگا۔ وہ اسی سوچ میں تھا کہ اُس کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ اُس کا سر بنچ کی پُشت پر جا پڑا اُس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ اُس کے بازو دونوں جانب کو کھل گئے اور وہ سو گیا ؛

(۴)

ایک متوسط درجے کے گھر میں دس برس کا ایک لڑکا جسے قدرت نے اعضا کا تناسب اور صُورت کی دلکشی پُوری آب وتاب سے عطا کی تھی۔ ایک ایسی ہم عُمر لڑکی کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ جس کی صُورت اپنی دلربائی اور رعنائی میں بے نظیر تھی۔ دونوں کے چہروں سے معصومیت آنکھوں سے حیا۔ حرکات سے سنجیدگی ٹپک رہی تھی ؛

سعیدہ اختر سے عُمر میں قریباً چھ ماہ چھوٹی تھی۔ دونوں خالہ زاد بہن بھائی تھے۔ سعیدہ کا باپ اُس کی پیدائش کے اٹھارہ ماہ بعد مر گیا تھا۔ اور اُس کی ماں اُسے لے کر اپنی بہن کے ہاں آ گئی تھی۔ اِس لئے سعیدہ اور اختر اوّل روز ہی سے ایک دوسرے کے ساتھ رہنے لگے تھے۔ دونوں کی مائیں آپس میں ایک دوسرے سے دلی محبت رکھتی تھیں۔ کامل سکون و اتحاد سے زندگی کے دن گذار رہی تھیں۔ اور اس لئے بچوں میں بھی انتہائی سلوک اور اتفاق تھا۔ دونوں

ایک دُوسرے سے مانوس ہو گئے تھے ؂

پاس پاس رہنے سے انسانوں کے درمیان تو کیا حیوانات کے اندر بھی اُنس پیدا ہو جاتا ہے بلکہ جاندار اور بے جان بھی ایک دُوسرے سے مانُوس ہو جاتے ہیں۔ اِس قانُونِ قُدرت کے ماتحت سعیدہ و اختر بھی ایک دُوسرے سے مانُوس ہو گئے تھے ؂

لیکن یہ موانست معصومیت کی موانست تھی۔ ایک ساتھ پرورش پانے کی موانست تھی۔ اس میں کسی دُنیاوی غرض کو دخل نہ تھا۔ کسی حیوانی جذبہ کا تعلّق نہ تھا۔ کسی مطلب پرستی کا شائبہ نہ تھا ؂

اختر سعیدہ کا دل بہلانے کے لئے بازار سے اچھّی اچھّی چیزیں لایا کرتا اور سعیدہ اُس کو خوش کرنے کے لئے گھر میں اپنے ننھّے ننھّے ہاتھوں سے چیزیں بنایا کرتی ؂

دن گزُرتے گئے۔ بلکہ ماہ اور سال بھی گزر گئے۔ اور وہ ایک دُوسرے سے اِس قدر مانُوس ہو گئے کہ ایک دُوسرے کو دیکھے کے بغیر چَین نہ پاتے۔ اختر سکول سے آتے ہی پہلے سعیدہ کو دیکھتا اور پھر کھانا کھاتا۔ اور سعیدہ جب تک وہ سکول سے آکر کھانے پر نہ بیٹھتا بھُوکی رہتی۔ اور دونوں کی مائیں بچّوں کی اِس محبّت پر دل ہی دل میں خوش ہوتیں ؂

کچھ عرصہ اسی حال میں گزر گیا۔ یہاں تک کہ یکایک سعیدہ اور اختر کے درمیان ایک حجاب سا پیدا ہو گیا۔ جس طرح وہ پہلے ایک دُوسرے سے بے تکلّفی سے ملتے تھے وہ بے تکلّفی جاتی رہی۔ جس طرح وہ پہلے ایک دُوسرے کی طرف گھنٹوں آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتے رہتے تھے۔ اب اِس طرح دیکھنا بند ہو گیا۔ دونوں کی آنکھیں دوچار ہوتیں اور پھر بلاارادہ نیچے کو جُھک جاتیں۔ دونوں ایک دُوسرے سے ملتے اور خاموشی چھائی رہتی +

یہ حالت خود بخود پیدا ہو گئی تھی۔ بزرگوں کی طرف سے کوئی پابندی عائد نہ ہوئی تھی۔ شاید اس کشیدگی کی وجہ خاندانی روایات تھیں جن کے مطابق سنِ بلوغت کو پہنچ کر دو نامحرموں کو ایک دُوسرے سے حجاب کرنا چاہیئے تھا۔ ہاں وہ نامحرم تھے۔ اِس لئے کہ اُن کا نکاح آپس میں جائز تھا اور جن سے نکاح جائز ہو۔ اُن سے لڑکیوں کو حجاب کرنا چاہیئے + بلاارادہ یا بالارادہ دونوں ایک دُوسرے سے دُور دُور رہنے لگے۔ تا آنکہ اختر کی عمر بیس برس اور سعیدہ کی عمر انیس سال سے کچھ اُوپر ہو گئی۔ دونوں ابھی تک ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ اور دونوں کی ماؤں نے آج تک کبھی آپس میں کوئی نااتّفاقی پیدا نہ کی تھی۔ اختر دن کا بیشتر حصّہ باہر مردانے میں گزارتا۔ کبھی کبھی زنانہ

میں آتا اور سعیدہ اگر اپنی ماں یا خالہ کے پاس موجود ہوتی تو جھجک کر دروازہ ہی میں کھڑا رہ جاتا تا آنکہ وہ اُٹھ کر ساتھ والے کمرے میں چلی جاتی ✽

اٹھارہ سال کے بعد یعنی جب سے سعیدہ کی والدہ بیوہ ہوئی تھی۔ سعیدہ کے چچا کا انتقال ہُوا اور وہ بہت سی جائداد چھوڑ گئے۔ چونکہ اور کوئی وارث نہ تھا اِس لئے سعیدہ کی والدہ کے قبضے میں تمام جائداد آئی اور وہ اپنا اگلا تعلیم چھوڑ کر دیور کے مکان میں چلی گئی ✽

اب اختر کے لئے سعیدہ کی صُورت دیکھنا دُشوار ہو گیا۔ پہلے وہ دن میں ایک آدھ بار اُسے دیکھ لیا کرتا تھا لیکن اب اُس کا بھی امکان جاتا رہا اور اب وہ محسوس کرنے لگا کہ وہ کچھ کھو بیٹھا ہے اُس کو معلوم ہُوا کہ اُس کے پہلو سے دل جاتا رہا ہے۔ اُس کی خواہش سعیدہ سے ملنے کے لئے لمحہ بلمحہ بڑھنے لگی۔ اور اب یہ راز اس پر کھلا کہ وہ اُنس جو پہلے محض ایک رشتہ کی بنا پر پیدا ہُوا تھا اب کسی اَور صُورت میں تبدیل ہو چکا ہے ✽

لیکن خاندانی روایات کا تقاضا تھا کہ وہ حالِ دل ظاہر نہ کرے۔ زبان پر ایک لفظ نہ لائے۔ دل ہی دل میں کُڑھتا رہے اور عرضِ حال سے پرہیز کرے ✽

اِس حالت میں وہ سعیدہ کے ہاں دُوسرے تیسرے روز جایا کرتا۔ سعیدہ سے مُلاقات ہوتی۔ تخلیہ بھی میسر آتا۔ لیکن سوائے ایک آہ سرد کے جو اُس کے اپنے کان ہی سُن سکتے اور کچھ نہ ہوتا۔

وہ گھر سے چلتے وقت ارادہ کرتا کہ اپنی بے چینی کا حال سعیدہ سے کہہ دے گا۔ لیکن جب اُس کے سامنے جاتا تو اُس کے حیا سے مرعوب ہو جاتا۔ سعیدہ کی سحر آگیں نگاہیں اُس کو ایسا مسحور کر دیتیں کہ وہ ساکت وصامت ہو کر رہ جاتا اُس کی قوتِ گویائی جواب دے جاتی اور وہ اسی طرح خاموش گھر واپس آجاتا۔ وہ نہ سمجھ سکتا تھا کہ اُسے کیا ہو گیا۔ رات کو سوتے ہوئے اُسے کوئی خیال بے چین کر دیتا۔ دِن کو مطالعہ کرتے کرتے اُسے کسی کی یاد تڑپا دیتی اور وہ اِس بات کا متلاشی رہتا۔ کہ کوئی ایسا موقع ملے کہ وہ متواتر اور پیہم کسی کے کیف حسن سے بہرہ اندوز ہوا کرے۔

آخر قُدرت نے موقع بہم پہنچا دیا لیکن وہ ایسا موقع تھا کہ اس میں عید نظارہ کے ساتھ غم و فکر کا ملاپ بھی تھا۔ یعنی سعیدہ بیمار ہو گئی اور اختر کی والدہ نے اپنے بیٹے کو اس پر مامور کر دیا کہ وہ شب و روز سعیدہ کی تیمارداری میں مصروف ہو۔

اختر کو خوشی بھی تھی اور غم بھی تھا۔ خوشی اِس لئے کہ وہ سعیدہ کے

پاس بیٹھے رہنے کا موقع پانے لگا تھا۔ اور غم اِس لئے کہ سعیدہ تکلیف میں تھی۔ سعیدہ کی والدہ مریضہ کو پنکھا کرتے کرتے تھک جاتی اور اُس کی آنکھیں بند ہو جاتیں۔ ایسی حالت میں اختر پنکھا ہاتھ میں لیتا۔ ایک ہاتھ سے پنکھا ہلاتا اور ایک ہاتھ سے کبھی مریضہ کی نبض دیکھتا کبھی سر دباتا۔ کبھی پاؤں دباتا۔ اور تمام عرصے میں اُس کی آنکھیں سعیدہ کے چہرے پر گڑی رہتیں سعیدہ گرمی کی شدّت سے گھبرا کر کسی وقت کیا جب کبھی رات کو آنکھیں کھولتی سامنے اختر نظر آتا۔ وہ جھجک جاتی۔ لیکن اختر کی زبان سے اپنا نام سُن کر اُس کی طرف دیکھتی اور پانی مانگتی۔ وہ اُسے اُٹھا کر بٹھاتا۔ اپنے سینے پر اُس کے سر کو سہارا دیتا اور پانی پلاتا۔ جس کے بعد وہ لیٹ جاتی۔ ایک دو بار شکر گذاری کے اظہار کے طور پر اُس کی طرف دیکھتی اور سو جاتی۔ اور وہ بدستور سابق اُس کی طرف ٹکٹکی لگائے مصروفِ خدمت ہو جاتا۔

سعیدہ کو بیمار ہوئے چھ ماہ گزر گئے تھے۔ اُس کی حالت بد سے بدتر ہو گئی تھی۔ اُس کا چہرہ اُتر گیا تھا اور اب زندگی سے مایوسی کے آثار پیدا ہونے لگے تھے۔ وہ مایوسی جس کی وجہ سے گھر کے لوگوں نے علاج معالجہ بھی چھوڑ دیا تھا۔ بلکہ تمام پرہیز اُٹھا دیئے تھے۔

تھے۔ زندگی سے پیاری چیز کوئی نہیں۔ اسی وجہ سے سعیدہ کو احساس تھا کہ میں ابھی زندہ رہنے کی کوشش کر سکتی ہوں۔ لیکن گھر کے لوگ نا اُمیدی کی وجہ سے سب کوششیں ترک کر چکے تھے۔ ایک اختر تھا۔ جو اِس آخری حالت میں بھی بدستور سابق اُس کی خدمت اور علاج میں مصروف تھا۔ سعیدہ ہر تکلیف اسی کے سامنے پیش کرتی۔ اور وہ اس کا چارہ کرنے کی کوشش کرتا۔ ایک روز سعیدہ نے اُسے کہا کہ وہ کسی نئے ڈاکٹر کو بُلا لائے۔ اختر کو ہر چند خالہ نے روکا۔ لیکن وہ نہ رُکا۔ ڈاکٹر آیا اور مریض کی حالت کو خطرناک بتا کر چلا گیا۔

اختر نے سعیدہ کے دل کو ڈھارس دینے کے لئے بازار سے نُسخہ بنوایا۔ اور دوائی اُس کے مُنہ میں ڈالی۔

سعیدہ اب زندگی کے آخری ایّام پُورے کر رہی تھی۔ اختر رات کو جب سب سو گئے ہوتے۔ سعیدہ کے سرہانے بیٹھا پنکھا ہلائے اور آنسو بہائے جاتا۔ ایک شب جب سعیدہ کی حالت بہت خراب تھی۔ اور وہ بار بار "اختر، اختر" پکار رہی تھی۔ اختر نے فرطِ غم سے مجبور ہو کر اُس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ سعیدہ کی آنکھیں کھُلیں۔ وہ مُسکرائی۔ اور آنکھوں ہی آنکھوں میں یہ کہہ کر خاموش ہو گئی کہ یہ محبّت کا آخری اظہار تھا۔ اِس لئے کہ اب وہ شمع بُجھنے والی تھی۔ جس کے اگرد وہ

پروانہ وار فدا ہوتا رہا تھا ۔

آخر نصف رات گزرنے پر مریضہ نے کروٹ لی۔ اور اختر کو پکارا۔ اختر سامنے آیا، اور سعیدہ نے کہا "اختر! بس علاج ہو چکا" ان الفاظ نے اختر کے دل پر بجلی گرا دی۔ اُس کی ہمت مردانہ اُسے جواب دے گئی وہ زمین پر فرطِ غم سے گرا چاہتا تھا۔ لیکن اُس نے اپنے آپ کو سنبھال کر سعیدہ کو تسلّی دی۔ لیکن فوراً سعیدہ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ وہ اُٹھنا چاہتی تھی۔ اختر نے اُسے اُٹھایا۔ اُس نے پھر لیٹنا چاہا۔ لیکن اب اُس کی گود میں لیٹ گئی۔ چارپائی اِس کو تکلیف دہ معلوم ہوئی۔ اُس نے اختر کی گود میں لیٹے ہوئے اختر کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ اُس کی نظر میں ایک حسرت تھی۔ ایک درد تھا۔ ایک بے چینی تھی۔ یکایک اُس کی آنکھیں پتھرا گئیں اور وہ منہ سے اختر کہتی ہوئی جاں بحق ہو گئی ۔

(۵)

دریا کے کنارے بنچ پر سونے والے کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا بدن لرز رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس کا رُواں رُواں خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔ وہ اُٹھا اور ملحقہ چمنستان میں ٹہلنے لگا۔ اضطراب اور بے چینی کا آخری علاج جو اس کے ذہن

تجویز کیا تھا۔ یعنی کسی حسین عورت کی محبّت اور پرستش وہ علاج اسوقت بجائے نوشدارو کے زہر قاتل معلوم ہونے لگا۔ اِس لئے کہ اُس کی وہ محبّت جس کا نقشہ آج اُس کی خواب میں آنکھوں کے سامنے پھر گیا تھا۔ اُسے ایک ناقابل برداشت صدمہ پہنچا چکی تھی۔ وہ اب جرأت نہیں کر سکتا تھا کہ کسی سے دل لگائے۔ زندگی کی آخری دلچسپی اس کے لئے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی۔ اور جب زندگی میں اُس کے لئے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی تو اس کو زندہ رہنے میں کیا لُطف آ سکتا تھا۔ اس خیال نے اُس کی حالت غیر کر دی +

قُدرت نے جہاں زندگی کو انسان کے لئے مصائب کا جولانگاہ بنایا۔ وہاں مختلف مصائب کا علاج بھی پیدا کر دیا۔ لیکن تمام مصیبتوں میں ذہنی مصیبت کا انسان مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اِس لئے قدرت نے بالآخر اس کے لئے ایک ایسی چیز پیدا کر دی۔ جس سے گو ذہنی پریشانی سے آزادی تو نہیں ہو سکتی۔ تاہم احساسِ درد جاتا رہتا ہے۔ اور یہ چیز جنون ہے۔ جنون انسان کے احساس کو مُردہ کر دیتا ہے اُس کی قوّتِ حافظہ جاتی رہتی ہے۔ وہ گذشتہ مصائب کو بھول جاتا ہے۔ ایامِ رفتہ کی ناکامیاں اور نامرادیاں اُس کو تکلیف نہیں دے سکتیں + اُس پر آج کی شب جنون طاری تھا۔ اور یہ زندگی کا آخری حربہ

تھا۔ جو مصائب کا مقابلہ کرنے میں کام آسکتا تھا۔ وہ یکلخت ایک جانب کو بھاگا۔ پھر واپس مڑا۔ پھر آگے کو بھاگا۔ پھر واپس آیا۔ لیکن چین سے محروم تھا۔ وہ گھاس پر بیٹھتا۔ اور بیٹھتے ہی پکار اُٹھتا۔ سعیدہ، سعیدہ، اور پھر اُٹھ کر بھاگنے لگتا۔ اور زبان سے "سعیدہ" سعیدہ" پکارے جاتا۔ اسی حالت میں یعنی بھاگنے، ٹھہرنے، بیٹھنے، اُٹھنے اور "سعیدہ، سعیدہ" پکارنے میں پچھلا پہر ہو گیا۔ نہ اُسے نیند آئی نہ آرام ہوا +

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قدرت کا آخری حربہ بھی بیکار رہا۔ اس کا احساس پہلے سے زیادہ تیز ہو چکا تھا۔ گذشتہ زندگی کے تمام حالات اس کے سامنے سینما کی تصویر کی طرح آرہے تھے، اور وہ ہر قدم پر بیقرار ہو رہا تھا۔ آخر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا۔ اور ایک جانب کو بھاگا اور بھاگتا ہوا ایک درخت سے ٹکرایا۔ اُس کے سر سے خون بہنے لگا۔ وہ سر کو تھام کر اُسی درخت کے سہارے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا:۔

"سعیدہ! سعیدہ! تم نے مجھے کیوں اپنا والہ وشیدا بنا لیا تھا۔ اور اگر والہ وشیدا بنا لیا تھا تو پھر کیوں داغ مفارقت دے گئیں۔ آہ تم حسرت سے میری طرف دیکھ رہی تھیں۔ بتاؤ! میں کیا کر سکتا تھا۔ میں نے وہ سب کچھ کیا جو ہو سکتا تھا۔ ہاں ایک چیز رہ گئی۔ اور وہ میری بدقسمتی ہے کہ نہ ہوئی۔ اگر وہ ہو جاتی تو میں تمہارے پہلو ہی میں رہتا۔ دُنیا کی

کوئی طاقت مجھے تم سے جُدا نہ کر سکتی ہیں اب وہی کرونگا۔ سعیدہ!
سعیدہ! میں تمہارے پاس آتا ہوں۔ یہ نہ کہنا کہ میں نے تمہارا ساتھ
آخر تک بلکہ آخر سے بھی پرے تک نہ دیا"۔

اور اب وہ اُس حربہ کو استعمال کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ جو گو قدرت نے انسان کو ذہنی پریشانی سے بچنے کے لئے تجویز نہ کیا تھا۔ لیکن انسان کے ہاتھ میں ضرور تھا۔ یہ آخری حربہ تھا۔ جو انسان زندگی کی کشمکش میں ناکام رہنے کے بعد اپنے ذہن کو پریشانی سے آزاد کرنے کے لئے استعمال کر سکتا تھا۔

وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر بھاگا۔ اور سیدھا دریا کی طرف گیا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ دریا کا پانی بالکل سکون کی حالت میں تھا۔ اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ سکون جو تمام عمر اُسے نصیب نہ ہُوا تھا۔ آج مجسم صورت میں اُس کے سامنے تھا۔ اور اُس سے بہرہ اندوز ہونے کی ایک اور ایک ہی صورت تھی کہ وہ اپنے آپ کو اس سکونِ مجسّم میں فنا کر دے۔ یہ خیال اُس کے دل میں پیدا ہُوا اور وہ کُود پڑا۔ اور ایک لمحہ کے بعد معلوم ہُوا کہ پانی میں کوئی وزن دار چیز گر کر گول دائروں کی صُورت میں لہروں کا ایک سلسلہ چھیڑ گئی۔ جو ایک مرکز سے اُٹھ اُٹھ کر متواتر دُور دُور تک پھیلتی چلی گئیں۔

رازِ سکون

۱۱- ستمبر

میری ناکامیاں اِس قدر بڑھ چکی ہیں۔ میری مایُوسی اِس حد تک ترقّی کر گئی ہے۔ مَیں تلاشِ سکون و اطمینان میں ایسا نااُمید ہو چکا ہوں کہ اب زندگی میرے لئے وبال بن گئی ہے +

مَیں اِس دُنیا میں جسے اکثر لوگ اپنی تحریروں اور تقریروں میں دلچسپیوں کا ایک سلسلہ بتاتے ہیں۔ کوئی دلچسپی نہیں پاتا۔ ہر وہ چیز جو دُوسروں کے لئے اپنے اندر دلکشی رکھتی ہے، میرے لئے جاذبِ توجّہ نہیں۔ ہر وہ موقع جو اَوروں کے لئے راحت و انبساط کا موجب ہوتا ہے، میرے لئے کوئی خوشی کا پہلو نہیں رکھتا۔ ہر وہ منظر جو دُنیا والوں کے لئے نظر فریب اور دلکش ہوتا ہے، میرے دل میں کچھ فرحت پَیدا نہیں کرتا +

مَیں نے دُنیا میں خوش رہنے کی انتہائی کوشش کی۔ دُنیا کی ہر قسم کی نعمتوں سے جائز حظ اُٹھانا چاہا۔ قُدرت کے مناظر کی طرف رجوع کیا۔ حکماء و علما کی تصنیفات کی طرف توجہ کی۔ تخلیق عالم اور نظامِ کائنات پر غور و فکر کیا۔ علوم و فنون کی تاریخ، نسلِ انسانی کا ارتقا، فضاء عالم کے عجائبات۔ کوئی موضوع نہیں۔ جس کی طرف مَیں نے اپنے آپ کو متوجہ نہ کیا ہو۔ لیکن کبھی سکون و اطمینان نہ پا سکا۔ مَیں جدھر دیکھتا ہوں اضطراب و بے چینی چھا رہی ہے۔ قرار و سکون کہیں نظر نہیں آتا۔ سُورج کبھی ایک تھوڑے سے تھوڑے عرصے کے لئے بھی اپنی جگہ پر قائم نہیں رہتا۔ چاند ہر روز اپنا مقام اور اپنی صُورت بدل دیتا ہے۔ ستارے جو ظاہر بین نگاہوں کو ساکن نظر آتے ہیں۔ مجھے حرکت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ دریا خاموشی میں بھی میری آنکھوں کو اپنی رفتار کا پتہ دیتا ہے، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب اطمینان و سکون کی تلاش بے سُود ہے ؞

لیکن اضطراب و بے چینی نے میری زندگی اس قدر تلخ کردی ہے کہ زیادہ عرصہ تک مَیں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا، تو کیا مجھے اطمینان و سکون حاصل کرنے کی ایک آخری کوشش نہ کرنی چاہیئے ؞

۱۱- اکتوبر

اِس دُنیا کی ہر دلچسپی دوستوں کی معیّت میں زیادہ پُر لطف و پُر کیف بن جاتی ہے۔ گھاس کا وہ تنکا جسے اکیلا چہل قدمی کرنے والا شخص پاؤں سے روندتا ہُوا چلا جاتا ہے۔ وہ دو دوستوں کے درمیان ایک طویل و عجیب گفتگو کا مبحث بن جاتا ہے۔ ریت کا وہ ذرّہ جو ایک آدمی کے لئے قابل توجہ نہیں ہوتا۔ دو مانُوس دلوں کے لئے اپنے اندر تمام عالم کا تماشا پیدا کر لیتا ہے۔ پانی کا وہ قطرہ جسے ایک انسان بے حقیقت چیز سمجھتا ہے۔ دو محبّت کرنے والوں کی آنکھوں کی سامنے سمندر کا نقشہ پیش کر دیتا ہے۔ اِس لئے میں نے اب مصمّم ارادہ کر لیا ہے کہ دُنیا میں اپنے آپ کو خوش رکھنے۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی نعمتوں کا حظ اُٹھانے اور یُوں اطمینان و سکون پا لینے کی ایک کوشش جو باقی رہ گئی ہے، کر لوں۔ اور وہ یہ کہ تمام دُنیا کو ایک دوست کے لئے چھوڑ دوں۔

۲۷- اکتوبر

میں نے طویل غور و فکر کے بعد اپنے تمام دوستوں میں سے افضل کو اِس غرض سے چُن لیا ہے کہ ہر طرف سے قطع نظر کر کے اس کی مصاجت سے اپنے آپ کو خوش رکھوں۔ وہ میرا بچپن سے ہم جماعت

ہے۔ سالہا سال ہم دونوں نے بہت سا وقت ایک دوسرے کی معیت میں گزارا ہے۔ اور ہم دونوں ایک دوسرے سے خوب آشنا ہیں +

۱۵۔ دسمبر

میں نے آج سے تقریباً دو ماہ پیشتر جس خیال کا اظہار کیا تھا۔ وہ کیسا صحیح نکلا۔ جس وقت میں چاند کی روشنی کو افضل کی آنکھوں میں سے منعکس ہوتے دیکھتا ہوں۔ تو وہ مجھے بہت ہی دلکش معلوم ہوتی ہے۔ جب قدرت کے مناظر کا نقشہ میں اس چہرے پر دیکھتا ہوں۔ تو میرا دل فرحت و انبساط سے لبریز ہو جاتا ہے۔ پرسوں جب ہم دونوں وہ تصویر دیکھ رہے تھے۔ جس میں ایک دوشیزہ اپنے چاہنے والے کو ایک نامعلوم عرصہ کے لئے الوداع کہہ رہی ہے اور افضل کے لبوں پر مسکراہٹ پیدا ہوئی۔ تو میرے لب بھی فوراً مسکراہٹ کی طرف راغب ہوئے۔ لیکن دفعتاً وہ عورت کی حسرت بھری نگاہ سے متاثر ہو کر متین بن گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی میرے چہرے پر بھی متانت طاری ہو گئی +

مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے حقیقت میں خوشی اور اطمینان کو

پالیا ہے ؎

۴- جنوری

گزشتہ کرسمس کے ایام میں افضل اور میں دہلی اور آگرہ کی سیر کو گئے۔ دراصل افضل کو دہلی میں اپنے ایک عزیز کو ملنا تھا۔ جو وہاں اس کے لئے ایک رشتہ تلاش کر رہے تھے۔ اُنہوں نے افضل کو بُلایا تھا کہ اس سے زبانی ضروری امور کا تصفیہ ہو جائے۔ اور ساتھ ہی لڑکی کے اعزہ میں سے کسی کو افضل کی صُورت آشنائی کا موقع مل جائے۔ یہ معاملات تو دُوسرے روز ہی طے ہو گئے۔ اس لئے ہم نے تیسرے روز سیر گاہوں کا رُخ کر لیا۔ لال قلعہ۔ قُطب مینار۔ آصف الدولہ اور ہمایوں کے مقبرے بھی دیکھے۔ اور چاندنی چوک کی سیر بھی کی۔ پھر آگرہ کا رُخ کیا۔ اور اعتماد الدولہ کا مقبرہ دیکھا۔ اس کے بعد روضۂ تاج محل کو چاندنی رات میں دیکھنے گئے ؎

افضل کو اللہ تعالیٰ نے باریک بینی کا مادہ بہت عطا کیا ہے۔ اسی لئے وہ ہر عمارت کو بڑے غور سے دیکھتا اور میں بھی اس طرزِ عمل کو اختیار کرنے پر مائل ہو گیا۔ تاج محل کو ہم نے جس قدر غور سے مطالعہ کیا، اور جس قدر حظ اُٹھایا اُس کا بیان محال ہے۔ افضل کی نگاہ انتخاب

کس کس بلا کی خوبصورت چیز پر پڑتی تھی - اور پھر مجھے اُس کی ہر پسند کی ہوئی چیز پر غور کرنے سے کیا لُطف حاصل ہوتا ہے +

۱۷- مارچ

مَیں افضل کے ہاں شب در وز جاتا ہوں - پُر فضا باغوں میں گھنٹوں ہم اکٹھے سیر کرتے پھرتے ہیں - چاند کی روشنی میں ہم دریا کے کنارے بیٹھے آدھی رات تک پانی کی روانی اور خاموشی کا لُطف اُٹھاتے ہیں - مَیں کبھی دریا کی طرف دیکھا کرتا ہوں - اور کبھی افضل کی طرف - وہ منظر جو دریا کی طرف اپنی دلربائی کے ساتھ آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے - اس کا نقشہ اس سے کئی گناہ زیادہ دلکشی کے ساتھ افضل کی آنکھوں میں نظر آتا ہے +

پرسوں نصف شب گزر چکی تھی - اور ہم دونوں داراشکوہ کی بارہ دری کے سامنے دریا کی طرف مُنہ کئے بنچ پر بیٹھے تھے - ہوا نہایت خوشگوار تھی - عقب سے کسی چیز کی بھینی بھینی خوشبو آ رہی تھی - دریا بالکل خاموشی سے ایک ازلی و ابدی حرکت میں تھا - دفعتہً میرے ذہن کو گانے کی طرف توجہ ہوئی - اور مَیں نے آہستہ آہستہ سُریلی آواز میں غالب کی ایک غزل گانا شروع کی - یہ پہلا موقع تھا کہ افضل نے مجھے گاتے سُنا -

اور میری آواز کی خُوبی سے وہ بہت متاثر ہُوا۔ جس قدر وہ خوش ہوتا، اُسی قدر میری طبیعت موسیقی کی طرف زیادہ راغب ہوتی۔ یہاں تک، کہ متواتر دو گھنٹے تک مَیں گاتا اور وہ داد دیتا رہا ٭

مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میں نے اطمینان و سکون پا لیا۔ میرا دل ہر وقت مسرور رہتا ہے۔ مجھے اب کسی چیز کی تلاش نہیں۔ مَیں مطمئن ہوں ٭

۲۲۔ جون

مجھے افضل کی معیّت میں کچھ ایسا لُطف آتا ہے کہ مَیں نے دُوسرے تمام دوستوں سے ملنا قطعاً ترک کر دیا ہے۔ بہن بھائیوں سے بھی میرا ملنا بہت کم ہو گیا ہے۔ اور ہر طرف میری اس غفلت اور کوتاہی کو محسوس کیا جا رہا ہے۔ لیکن کوئی وجہ نہیں کہ مَیں اپنی راحت اور خوشی کو دوسروں کی باتوں سے متاثر ہو کر کھو بیٹھوں ٭

مَیں اپنی زندگی کے فرائض میں بھی تساہل برتنے لگا ہوں۔ گھر کے متعلق کوئی کام میرے ہاتھوں اب سرانجام نہیں پاتا۔ اس بنا پر گھر کے لوگ اب میرے شاکی ہیں۔ لیکن ان کی شکایات کا مجھ پر چنداں اثر نہیں ٭

---

۱۴ - جولائی

ہمدردی انسان کی فطرت میں روزِ ازل ہی سے ودیعت کی گئی ہے۔ انسان اپنے کسی ہم جنس کو تکلیف میں دیکھے تو طبعاً اس کے دل میں تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ میرے دل میں بھی ہمدردی کا مادہ بافراط موجود ہے۔ اور کبھی میں ہمدردی کے اِس جذبہ میں ایسا سرشار تھا کہ ہر خویش و بیگانہ کی طرف متوجہ رہتا تھا۔ لیکن اب میری تمام ہمدردی ہر طرف سے سمٹ کر افضل کی ذات کے گرد جمع ہو گئی ہے۔ جون کے آخری ہفتہ میں افضل کچھ ایسا بیمار پڑا کہ اُس کی جان کے لالے پڑ گئے۔ میری ہمشیرہ کا خورد سال بچہ بھی انہیں دنوں بیمار تھا۔ لیکن میں نے اس کی طرف قطعاً کوئی توجہ نہ کی۔ اور تمام اطراف و جوانب سے قطع نظر کر کے افضل کی تیمارداری میں مصروف ہو گیا۔ مَیں نے اُس کے پاس بیٹھ کر کئی راتیں آنکھوں میں کاٹ دیں۔ اور خدا جانتا ہے کہ مَیں اُس کی خدمت میں دلی مسرّت پاتا تھا۔ مجھے جس قدر تکلیف بھی افضل کے لئے اُٹھانی پڑے۔ نہایت خندہ پیشانی سے اُٹھانے پر تیار رہتا ہوں۔ اُس کے لئے جس قدر بھی قربانی کرنی پڑے انتہائی خوشی سے کرتا ہوں +

افضل بھی ایسا معلوم ہوتا ہے۔ میرے جذبات کی دل و جان سے

قدر کرتا ہے۔ جو راحت اُسے میری خدمت سے حاصل ہوتی ہے گھر کے آدمیوں سے نہیں ہوتی۔ جس قدر خوش وہ میری موجودگی میں رہتا ہے۔ دُوسروں کی موجودگی میں نہیں رہتا۔

۲۵۔ ستمبر

کل افضل کی شادی خانہ آبادی ہو گئی۔ الحمد للہ۔ مجھے اِس مبارک تقریب پر انتہائی مسرّت ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ افضل اور اس کی اہلیہ کے درمیان دلی محبّت اور اتحّاد پیدا فرمائے۔ اِس نئے تعلّق کو برکات کا موجب بنائے۔

۱۲۔ اکتوبر

جب سے افضل کی شادی ہوئی ہے۔ اُس کا مجھ سے ملنا کم ہو گیا۔ اور یہ ایک فطری امر ہے۔ بیوی کا حق سب سے زیادہ سمجھا جاتا ہے۔ اور یقیناً وہ خاوند کے وقت کی زیادہ حقدار ہے۔ شادی کے بعد افضل کا مجھ سے ملنا کم کر دینا اور گھر میں زیادہ حصّہ اوقات گزارنا کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ مجھے اس سے رنجیدہ ہونے کا کیا حق حاصل ہے۔

۱۱- دسمبر

شادی کے بعد انسان کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ بیوی سے محبّت کرے۔ اِس کو آرام اور راحت پہنچانے کی حتیّ الامکان پُوری پُوری کوشش کرے۔ اُس کے لئے اپنے آرام اور راحت کو قُربان کر دے۔ اُس کی خاطر ہر طرح کی قُربانی پر آمادہ رہے۔ اس کی دلداری جہاں تک اس کے اختیار میں ہو، کرتا رہے۔ افضل کو بھی اپنی بیوی سے محبّت ہے اور یقیناً اِس کی بیوی اُس کی محبّت کی حقدار ہے۔ اور میرا اوّل روز ہی سے یہ خیال رہا ہے۔ لیکن بیوی کی محبّت افضل کے دل میں اِس قدر بڑھ گئی ہے۔ کہ میرے لئے اس میں اب کوئی جذبہ نہیں رہا۔ اِس لئے کہ اب اگر مَیں اس کے پاس متواتر ایک دو گھنٹے بیٹھا رہوں۔ تو وہ گھر کے اندر جانے کے لئے بے چین نظر آتا ہے۔ بار بار اس کی نگاہیں گھڑی کی طرف اُٹھتی ہیں۔ اور بار بار اس دروازے کی طرف جاتی ہیں۔ جو زنانہ حصۂ مکان میں کھُلتا ہے +

۲۵- دسمبر

میرا ارادہ تھا کہ امسال ایام کرسمس میں لکھنؤ کی سَیر کے لئے افضل کے ہمراہ جاؤں گا۔ لیکن جب مَیں نے افضل پر یہ ارادہ ظاہر کیا! اور اس کی

رائے طلب کی۔ تو وہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا۔ اور سوچ میں پڑ گیا ؛

زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ مَیں نے ایک خواہش افضل کے سامنے ظاہر کی۔ اور اس نے بجائے معاً "ہاں" کہنے کے سوچنا اور غور کرنا ضروری سمجھا ؛

کیا اب اُس کا دل بدل نہیں گیا ؟ اور کیا دل کا یہ بدلنا شادی کے بعد ہی واقع نہیں ہُوا ؟ کیا میں یہ خیال کرنے میں غلطی پر ہوں کہ بیوی سے اُسے جو وابستگی ہو چکی ہے۔ وہ اُسے اب میرے ساتھ رہ کر کوئی خوشی نہیں پانے دیتی ؟

۱۹۔ فروری

مَیں ہر روز افضل سے ملنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اور اِس عرصہ میں مَیں نے اُس میں عجیب عجیب "تغیر" دیکھا ہے ایک روز میری موجودگی میں وہ تین چار دفعہ اُٹھ کر زنانے میں گیا۔ پھر بھی جب آ کر میرے پاس بیٹھتا۔ اس کا خیال کہیں اَور ہوتا۔ نگاہ لمحہ بہ لمحہ کسی اَور جانب کو اُٹھتی، اور ایسا معلوم ہوتا کہ وہ میرے پاس بیٹھے ہوئے انتہائی بے چینی محسوس کر رہا ہے۔ اس روز جب میں گھر واپس لوٹا۔ تو میرے پاؤں

میں جنبش کی طاقت نہ تھی ؛

اور پرسوں جب مَیں افضل کے ہاں گیا تو اطّلاع کرنے پر جواب ملا کہ وہ مکان پر نہیں ہیں۔ اس سے پیشتر جب کبھی ایسا اتّفاق ہُوا۔ ملازم مکان کا دروازہ کھول دیا کرتا تھا۔ اور مَیں جب تک چاہتا بیٹھا اُس کا انتظار کرتا۔ لیکن اب ملازم نے نہ دروازہ کھولا، نہ مجھے دم لینے کو کہا۔ لہٰذا مَیں واپس لوٹا۔ لیکن راستہ میں مجھے ایک ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ افضل گھر پر ہی تھا ؛

اگر اس سے یہ نتیجہ نکالوں کہ افضل کے دل سے میری محبّت جاتی رہی۔ اب وہ گھر کی دلچسپیوں میں اتنا محو ہے کہ میری طرف توجہ نہیں کر سکتا، تو مَیں حق بجانب نہیں ؟

۲۵۔ مئی

اِس عرصہ میں افضل مجھ سے ایک بار بھی نہیں ملا۔ اس کے اُس تغافل نے میرے دل سے اطمینان و سکون کو چھین لیا۔ اور اب مَیں پہلے سے بھی زیادہ مضطرب و بے چین ہوں۔ اِس لئے کہ مَیں نے اس کے لئے سب کو چھوڑ دیا تھا۔ اب مَیں کسی اَور طرف متوجہ ہونے کے قابل بھی نہیں ؛

۲۷- اگست

میرا ذہن اِس عرصہ میں جس انتہائی پریشانی میں مبتلا رہا ہے۔ کل اِس پریشانی کی انتہا ہو گئی ٭

مَیں شالامار میں ایک بنچ پر بیٹھا تھا۔ مَیں اکثر ایسے وقت وہاں جایا کرتا ہوں۔ جب کہ اَور لوگوں کے وہاں آنے کا امکان کم ہو۔ مَیں متفکّر و مغموم بنچ کی پُشت پر سر رکھے نیم باز آنکھوں سے نہر کی طرف دیکھ رہا تھا کہ افضل بمعہ مسز افضل کے باغ میں داخل ہُوا۔ دونوں نے میری طرف دیکھا۔ اور پھر یکلخت نہر کے پار جو راستہ جا رہا تھا۔ اُس پر ہو لئے۔ اور بغیر دوبارہ میری طرف دیکھے اور بغیر مجھے بُلائے آگے نکل گئے ٭

اُس وقت مجھے ایسا معلوم ہُوا کہ میرا دل ٹُوٹ گیا۔ میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور میرے سینے سے ایک آہ سرد نکلی ٭

لیکن افضل کا یہ سلوک ایسا نہیں کہ مَیں کسی اَور کے سامنے اس کا ذکر کر سکوں۔ اِس بارے میں مجھ سے کون ہمدردی رکھ سکتا ہے ٭

اس وقت جبکہ نصف حصّہ شب گزُر چکا ہے اور تمام عالم نیند کے مزے لے رہا ہے۔ مَیں یہ الفاظ لکھ رہا ہوں اور میری آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔ آج افضل کے اِس روّیہ کا تخیّل میرے سامنے

میری تمام گذشتہ ناکامیاں لا رہا ہے۔ اور اُن کی یاد میرے دل کو بے چین کر رہی ہے۔ آج میرے ذہن کی ہر تکلیف اور پریشانی مجھ پر اپنا اثر کر رہی ہے اور مَیں نہیں جانتا کہ اب دُنیا میں میرے لئے کیا باقی رہ گیا ہے ؎

۲۹۔ اکتوبر

اُس روز سے جب کہ شالامار میں افضل نے مجھے عملاً اپنے راستہ سے ٹھکرا کر الگ کر دیا۔ آج تک مَیں انتہائی ذہنی پریشانی میں گرفتار رہوں۔ مَیں نے اِس عرصہ میں دل بہلانے کی بہت کوشش کی۔ بعض دوستوں نے جنکو باوجود میری بے رُخی کے ہمیشہ مجھ سے حسنِ عقیدت رہی ہے۔ مجھے دُنیا کے خُوش کُن مناظر کی طرف متوجہ کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ لیکن میرا دل چین نہیں پاتا۔ مجھے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا میں اب میرے لئے کوئی خوشی نہیں رہی۔ میرے لئے دُنیا میں کوئی جگہ نہیں۔ مَیں دُنیا میں آفرینش کی کوئی غرض پُوری نہیں کر سکتا ؎

۱۱۔ نومبر

مَیں نے چونکہ افضل کی محبت میں اپنے زندگی کے بہت سے قیمتی سال

گزارے تھے۔ اِس لئے مَیں مجبور ہوں کہ اُس کی یاد اپنے دماغ سے جلد محو نہ کروں۔ لیکن موجودہ صُورتِ حالات میرے لئے ناقابلِ برداشت ہو رہی ہے۔ اگر مَیں نے ہر وقت گزشتہ واقعات کا نقشہ اپنے ذہن میں محفوظ رکھا۔ تو میری صحت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ مجھے اب اپنے اور افضل کے تعلّقات کے متعلّق قطعی فیصلہ کر لینا چاہیئے۔ یا تو میری اس کی صفائی ہو جائے یا پھر میری طرف سے بھی علیحدگی کا فیصلہ ہو۔ کوئی وجہ نہیں کہ وہ اِس قدر بے رُخی سے کام لے۔ اور مَیں اُس کا دم بھرتا جاؤں۔ دوستی کا جو حق تھا، میں نے ادا کر دیا۔

مَیں یہ الفاظ لکھ رہا ہوں اور ایک انتہائی درد محسوس کر رہا ہوں کہ جس کو ایک بار محبّت کی نظر سے دیکھ لیا گیا ہو۔ اِس پر نفرت کی نگاہ ڈالنا بہت مشکل ہے۔

مَیں ہمیشہ غلط فہمی سے بچنا چاہتا ہوں۔ اِس لئے کہ غلط فہمی سے دُنیا کی اکثر مصیبتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور اگر کشیدگی پیدا کرنے والے انسان ایمانداری کے ساتھ اپنی اپنی شکایات ایک دُوسرے کے سامنے رکھ دیا کریں تو معلوم ہوگا کہ اکثر کشیدگیاں غلط فہمی پر ہی مبنی ہوتی ہیں۔ جن کو نہایت آسانی سے رفع کر دیا جا سکتا ہے۔ اِسی بنا پر مَیں نے آج افضل کو ایک چٹھی لکھی ہے۔ جس میں مَیں نے اپنے ان خیالات کا اظہار کیا

ہے جو میں ان اوراق میں ظاہر کرتا رہا ہوں۔ مَیں نے ہر بات کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ جس طرز تحریر میں یہ خط لکھا گیا ہے۔ وہ ایسی حسرتناک ہے کہ اگر افضل کے دل سے احساس کلیتہً اُٹھ نہیں گیا تو وہ میری طرف کھچا آئیگا +

۲۵۔ نومبر

کامل دو ہفتے گزر گئے۔ لیکن افضل نے خط کا جواب تو درکنار رسید تک نہیں بھیجی۔ اور مَیں نے معتبر ذرائع سے معلوم کر لیا ہے کہ میرا خط اُسے مل گیا تھا +

اب اس کے بعد میرے لئے ایک ہی راستہ کھُلا ہے۔ اور وہ یہ کہ مَیں بھی اُس کے خیال کو دل سے نکال دوں +

۳۰۔ نومبر

دُنیا میں سب کچھ چھوڑ کر اگر میرے لئے تسلّی کا کوئی ذریعہ رہ گیا تھا۔ تو وہ افضل کی سوسائٹی تھی۔ لیکن اُس نے جس بیدردی سے میری امیدوں پر پانی پھیرا۔ جس بے رحمی سے میری حسرتوں کا خُون کیا۔ آج اُس کے اثر سے مَیں تڑپ رہا ہوں۔ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔

اب تسلّی کہاں پانے جاؤں - اطمینان وسکون کو کس گوشے میں تلاش کروں - کس سے ہمت افزائی اور وفا شعاری کی اُمید رکھوں ٭

۲- دسمبر

مَیں نے جہاں تک غور کیا ہے - اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ عشق انسان کو سکون، اطمینان اور راحت پہنچا سکتا ہے - اِس لئے کہ افضل نے تمام دُنیا کو چھوڑ کر آج اِس قدر اطمینان حاصل کر لیا ہے کہ اُسے کسی اَور سے ملنے کی خواہش نہیں رہی - اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مرد کے دل کو تفکّرات سے آزاد کر دینے والی ایک عورت کی محبّت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں - یہ محبّت انسان کو تمام عالم سے مستغنی کر دیتی ہے - اُسے دل کے بہلانے کے لئے کسی اَور چیز کی حاجت نہیں رہتی - اور اس بات کا تجربہ تو مجھے بھی حاصل ہے کہ انسان کے دماغ کو جو دن بھر کی محنت سے تھکان محسوس کر رہا ہو فرحت پُہنچانے کے لئے، اُس کے دل کو جو افکار روزگار کی وجہ سے پژمردہ ہو چکا ہو - راحت وانبساط سے لبریز کرنے کے لئے ایک حسین عورت کی ایک ادائے دلربا، ایک نگاہِ کرشمہ ساز، ایک مُسکراہٹ سے بڑھ کر کوئی چیز مُوثر نہیں ہو سکتی ٭

تو پھر کیوں مَیں بھی افضل کی طرح ایک عورت سے محبّت نہ کروں؟

اپنا دل کسی حسین ساحرہ کے سپرد نہ کر دوں اپنی نگاہ کو کسی بُتِ سیمیں کے نظارے کے لئے وقف نہ کر دوں؟

۱۴- جنوری

آج مجھے ایک طویل قصہ بیان کرنا ہے۔ جس روز مَیں نے اُوپر کے الفاظ لکھے تھے۔ اس سے دُوسرے ہی روز مَیں سائیکل پر سوار جا رہا تھا۔ چونکہ میری طبیعت گذشتہ واقعات بلکہ حادثات کی بنا پر ہر وقت متفکّر و مغموم رہتی تھی۔ اِس لئے میں گرد و نواح سے بالکل بے خبر گہری سوچ میں محو تھا۔ دفعتہً پیچھے سے ایک موٹر کار نے اپنی آمد کا اعلان کیا۔ مَیں اپنے خیالات سے چونکا۔ اور اچانک خطرے سے آگاہ ہونے پر سائیکل کو راستہ سے ایک طرف کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن اس امر کے احساس نے کہ موٹر سر پر آگئی ہے۔ مجھے گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا۔ اور میرا ہاتھ خوف و ہراس کی بنا پر سائیکل سے چھُوٹ گیا۔ معاً مَیں گرا۔ اور آنے والی موٹر مجھ پر اور سائیکل پر سے گزُرتی معلوم ہوئی۔ اس کے بعد مجھے معلوم نہیں کہ کیا ہُوا +

جس وقت میری آنکھ کھُلی۔ مَیں ایک ایسے کمرے میں چارپائی پر لیٹا ہُوا تھا۔ جو دراصل تو سونے کے لئے مخصوص معلوم ہوتا تھا۔ لیکن

اس وقت ایک مریض کے لئے تیمار داری کے ضروری ساز و سامان سے آراستہ کر دیا گیا تھا۔ میرے سر میں درد محسوس ہو رہا تھا۔ اور کسی کا ہاتھ اُسے دبا رہا تھا۔ مَیں نے پہلے سامنے اور پھر ارد گرد نگاہ ڈالی۔ اور پھر مُڑ کر دیکھنا چاہا کہ میرے سر کو کون دبا رہا ہے۔ لیکن نہ مُڑ سکا۔ سر دبانے والے نے میری خواہش کو محسوس کیا۔ اور مجھے تکلیف سے بچانے کے لئے خود میرے سامنے آنے کی کوشش کی ٭

اس وقت میری آنکھوں نے جو منظر دیکھا۔ وہ مَیں کبھی بھُول نہیں سکتا۔ میرے سامنے ایک اٹھارہ سالہ دوشیزہ تھی۔ جس کی آنکھوں سے حیا۔ چہرے سے معصومیت اور پیشانی سے بلند اقبالی ٹپک رہی تھی۔ اُس کا حُسن ماہِ کامل کو شرما رہا تھا۔ اُس کی خُوبیٔ صُورت کو سُورج کے نُور یا چاند کے جمال سے تشبیہہ دینا بے جا ہے۔ اِس لئے کہ سُورج میں عالم سوز حرارت پائی جاتی ہے اور چاند داغدار ہے۔ اِس کا چہرہ جلانے کی بجائے حیات افزا تھا۔ بصیرت افروز تھا۔ اور اس کا رنگ نہایت صاف اور یکساں تھا ٭

مَیں نے اُس کی طرف اور اُس نے میری طرف دیکھا۔ اور اُس کے فوراً بعد ہم دونوں کی نگاہیں نیچے کو جھُکیں۔ اُس پر حیا طاری تھی۔ اور مجھ پر رُعبِ حسن۔ وہ عرقِ شرم میں ڈُوب رہی تھی۔ اور مَیں محوِ حیرت

ہو رہا تھا ؛

بعد میں اُس کی زبانی معلوم ہُوا کہ وہ موٹر جس کے نیچے آکر میں زخمی ہُوا تھا، ایک ہندوستانی عیسائی کی تھی۔ جس کا باپ آج سے پندرہ سال پیشتر اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر مسیح علیہ السلام کے مذہب کا پیرو بن گیا تھا۔ وہ خود موٹر چلا رہا تھا۔ اور اُس کے ساتھ اُس کی یہ اکلوتی بیٹی فیروزہ موٹر پر سوار تھی۔ مَیں موٹر کے نیچے آنے کے چند لمحہ بعد بیہوش ہوگیا۔ اور ان دونوں باپ بیٹی نے اُسی وقت اُٹھا کر مجھے اپنے مکان پر پہنچایا۔ ڈاکٹر کو بلایا گیا جس نے بتایا کہ کوئی شدید ضرب نہیں آئی۔ معمولی خراشیں ہیں۔ جو پانچ سات روز کے علاج سے درست ہو جائیں گی۔ ہمارے گھر اطلاع کی گئی (میرے کوٹ کی جیب میں ایک لفافہ تھا اس پر سے ہمارے مکان کا پتہ معلوم کیا گیا تھا) اور جب میرے والد مجھے دیکھنے اور اپنے ساتھ لے جانے کے لئے آئے۔ تو پروفیسر صاحب نے (اِس لئے کہ صاحب خانہ ایک مشہور کالج میں علم ادب کے پروفیسر تھے) نہایت منت وسماجت سے انہیں آمادہ کیا کہ مجھے وہیں رہنے دیا جائے تاکہ اِن لوگوں کو میری تیمارداری کا موقع ملے۔ چنانچہ یہی فیصلہ ٹھہرا کہ مَیں فیروزہ کی نگرانی میں رہوں اور گھر کے لوگ وہیں آکر مجھے دیکھ جایا کریں ؛

ایک ہفتہ متواتر فیروزہ شب و روز میری تیمار داری میں مصروف رہی۔ اور اسی مدت میں سب سے بڑا سبق جو میں نے حاصل کیا، یہ تھا کہ فطرت نے عورت کو تیمار داری کے لئے مخصوص کیا ہے۔ اُس کی ایک جُنبشِ ابرُو تندرست مرد کو انتہائی مسرت کے ساتھ ہر مصیبت برداشت کرنے پر آمادہ کر دیتی ہے۔ اس کی ایک نگہِ ناز مرتے ہوئے مریض کے لئے مسیحائی کا کام دے سکتی ہے۔ عورت جس وقت مریض کے سر کو دبائے۔ یا اُس کو ایک پہلو سے دُوسرے پہلو پر لٹائے۔ تو مریض کو اس کے ہاتھ کا احساس نہیں ہو سکتا۔

ایک ہفتہ کے بعد ڈاکٹر صاحب کے مشورے اور پروفیسر صاحب کی رضامندی سے فیصلہ ہُوا کہ آئندہ صبح کو میں اپنے ہاں چلا جاؤں۔ رات کے دو بجے کے قریب میری آنکھ کھُلی اور میں نے دیکھا کہ فیروزہ میرے سامنے اِس حالت میں کرُسی پر بیٹھی ہے کہ اُس کا سر اس کے ایک ہاتھ پر، اور اُس کا بازُو اُس کے گھُٹنے پر سہارا لئے ہے۔ اور دُوسرے ہاتھ میں رومال ہے۔ جس سے وہ اپنی پُرسحر آنکھوں سے بہنے والے آنسو پونچھتی جاتی ہے۔ میں نے فوراً اپنی آنکھوں کو بند کر لیا۔ اور پھر اس خیال سے تھوڑا سا کھول لیا کہ دیکھوں، کیا ہو رہا ہے۔ میں نے اِس طریق سے آنکھیں کھولیں کہ دُوسرے شخص کو ان کے

کھلا ہونے کا احساس نہ ہوسکے۔ اور مَیں سب کچھ دیکھتا جاؤں ۔

اس وقت فیروزہ کی جو کیفیت مَیں نے دیکھی۔ اُس نے میرا دل دہلا دیا۔ وہ کبھی میری طرف دیکھتی تھی اور کبھی سر کو جُھکا کر آنکھوں سے آنسو بہانے لگتی۔ اسی حالت میں ایک طویل عرصہ گزر گیا۔ آخر وہ آگے بڑھی۔ میری چارپائی کے دونوں پہلوؤں پر اُس نے اپنے دونوں ہاتھ رکھے اور جُھک کر میرے مُنہ کے قریب اپنا مُنہ لے آئی۔ اور غور سے میرے چہرے کی طرف دیکھنے لگی ۔

اُس روز جب مَیں وہاں سے رخصت ہو رہا تھا۔ فیروزہ کے اَور میرے درمیان یہ معاہدہ ہُوا کہ آیندہ اتوار کو ہم دونوں تیسرے پہر شالامار میں ملاقات کریں گے۔ وہ بھی وہاں اکیلے آئے گی، اور مَیں بھی اکیلا جاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ ہم دونوں ایک علیحدہ مقام پر جہاں آینڈمو روند کی نگاہ ہم پر نہ پڑ سکتی تھی، بیٹھ گئے۔ قریباً ایک گھنٹہ تک ہم دونوں وہاں بیٹھے رہے۔ لیکن نہ اس کی زبان سے کوئی لفظ نکلا اور نہ میری زبان سے۔ مَیں بار بار اُس کی طرف دیکھتا اور پھر جھجک کر نگاہ دُوسری جانب پھیر لیتا۔ یہی حال اُس کا تھا۔ بالآخر اُس نے کہا "اب مجھے جانا چاہیئے"۔ مَیں نے کہا "بہت خُوب! بامانِ خدا"۔ جاتے ہوئے وہ پھر وہیں ملنے کا وعدہ کرتی گئی ۔

اب تک میری اس کی تین چار بار ملاقات ہو چکی ہے۔ اور اب وہ کسی حد تک بے تکلفی سے میرے ساتھ گفتگو کرنے لگی ہے۔ لیکن اُس کی نظر میں حیا کا وہی عالم اور اُس کے چہرے پر معصومیت کا وہی نقشہ ہے جو اوّل روز تھا۔

۲۵- فروری

فیروزہ کے اور میرے درمیان محبت کی گفتگو ہوئی۔ اور پانچ چھ بار کی ملاقات کے بعد میں نے اس سے کہا کہ یہ اس طرح کا چھپ چھپ کر ملنا کب تک جاری رہے گا۔ کیوں ہمیشہ کے لئے وہ میری اور میں اس کا نہ ہو جاؤں۔ اُس کی نگاہ مارے شرم کے نیچے کو جھک گئی۔ اور اُس نے نہایت دبی زبان میں کہا کہ "یہ میرے اختیار میں نہیں بلکہ ابّا جان کے اختیار میں ہے"۔

۲۴- اپریل

فیروزہ میری ہو چکی ہے۔ اور میں نے ہر وہ چیز پالی جو دُنیا میں حاصل کرنے کے قابل ہے۔ اگر افضل شادی کے بعد مجھ سے مستغنی ہو گیا تھا۔ تو آج میں تمام عالم سے مستغنی ہوں۔ اِس لئے کہ میں نے فیروزہ کی

صُورت میں اطمینان پالیا ۔

جب فیروزہ میرے پاس ہوتی ہے۔ مَیں تمام عالم سے بے خبر ایک عجیب لذّت محسوس کر رہا ہوتا ہوں۔ دن بھر کے کام کاج سے تھکا ماندہ جب مَیں گھر آتا ہوں۔ وہ دروازے پر میرے استقبال کے لئے کھڑی مُسکرا رہی ہوتی ہے۔ اس کی وہ مُسکراہٹ میری تمام کُلفت کو مٹا دیتی ہے۔ اِس چند روز کی زندگی نے میری تمام ناکامیوں کا تخیّل میرے دماغ سے معدوم کر دیا ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کوئی ذہنی پریشانی مجھے لاحق نہیں ہوئی۔ میرے لئے ہر طرف خوشی کا سامان ہے۔ ہر وقت میرے لئے مسرّت و فرحت کے اسباب مہیّا ہیں۔ فیروزہ میرے لئے مسیحائی کر رہی ہے۔ جس طرح اُس نے کبھی میرے جسم کے لئے مسیحا بن کر مجھے زندہ کیا تھا۔ اُسی طرح آج میری رُوح اُس کے جلوۂ حُسن سے زندگی پا رہی ہے ۔

اگر اور کوئی وجہ نہیں تو کم از کم انسان کو کسی حسین عورت سے محبّت کرنے کے لئے ہی زندہ رہنا چاہیئے۔ زندگی کی یہ خوشی ہر تکلیف کو بُھلا سکتی ہے ۔

۱۷- اگست

دس روز ہوئے ہیں اور فیروزہ جہانگیر کے مقبرے کے ملحقہ چمنستان میں مصروفِ سیر تھے۔ یکایک بادل آیا اور نہایت ہی موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ گھر پہنچنے تک ہم دونوں کے کپڑے بہت کچھ بھیگ گئے تھے۔ اور فیروزہ کو کچھ سردی بھی محسوس ہونے لگی۔ فیروزہ نے جلد کپڑے بدلے۔ اور کمبل اوڑھ کر لیٹ گئی۔ دوسرے روز صبح اٹھتے ہی اس کا بدن گرم تھا۔ شام تک انتظار کیا گیا کہ بخار خود بخود اُتر جائیگا۔ لیکن اگلے روز صبح بخار زیادہ تیز تھا۔ ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ اور معائنہ کے بعد اُس نے کہا کہ سردی لگ گئی ہے۔ دوائی دینے سے ایک دو روز میں بخار اُتر جائے گا +

لیکن بخار اُتر جانے کی بجائے فیروزہ کی بیماری روز بروز بڑھتی گئی۔ آج یہ حالت ہے کہ ایک سَو پانچ درجہ کی حرارت ہے۔ اور وہ ماہیِٔ بے آب کی طرح تڑپ رہی ہے +

۲۵- اگست

فیروزہ اِس جہان سے رخصت ہو گئی اور مَیں یہیں اس کے غم میں ہلاک ہونے کو پیچھے رہ گیا۔ کیا اُس کے بغیر زندگی میں کوئی لُطف

حاصل ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ✦

آہ! فیروزہ کی وہ نظر جو اس نے اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں میری طرف ڈالی۔ کس قدر حسرتناک تھی۔ آہ! اس کے تخیّل سے میرے جسم میں رعشہ پیدا ہوتا ہے۔ کیا ہماری محبّت کا کھیل اس قدر مختصر تھا۔ کیا محبّت اس قدر ناپائدار چیز ہے۔ کیا چرخ ستمگار اس کو دُنیا سے اُٹھا سکتا ہے اور مجھے فنا نہیں کر سکتا۔ اگر چرخِ ستمگار مجھے فنا کرنے پر آمادہ نہیں۔ تو وہ مجھے خود اپنے آپ کو ہلاک کرنے سے روک بھی نہ سکے گا ✦

مَیں نے دُنیا کی ہر مصیبت کو برداشت کر لیا۔ ناکامیوں پر ناکامیاں اُٹھا کر بھی ہمّت نہ ہاری۔ افضل کی بے رُخی بھی باوجود انتہائی درد و رنج کے مجھے ہلاک نہ کر سکی۔ لیکن اب جب کہ فیروزہ دُنیا میں نہیں۔ مَیں ہرگز زندہ نہیں رہ سکتا۔ نہیں رہنا چاہتا۔ فیروزہ کی مَوت کے بعد اگر مَیں زندہ رہوں تو میرے لئے باعثِ افسوس ہے۔ مجھے اب کس کے لئے زندہ رہنا چاہیئے۔ اب کونسا کام ہے جو مجھے کرنا ہے؟

مجھے مرنے کے لئے ایسا وقت اور ایسا مقام تلاش کرنا چاہیئے کہ نہ مَیں خود مَوت سے بچنے کی کوشش کر سکوں اور نہ کوئی اور مجھے بچانے والا ہو۔ یہی ایک صُورت ہے۔ جس سے میری مدّت العمر کی

پریشانیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

فیروزہ! فیروزہ! آہ۔ افسوس مَیں تیرے لئے کچھ نہ کر سکا.....
بہرحال تیرے پاس آنے کی کوشش ضرور کر سکتا ہوں +

۳۔ ستمبر

۲۵۔ اگست کی رات کو مَیں مرنے کے لئے گھر سے نکلا تھا لیکن ابھی تک زندہ ہوں +

جس وقت مَیں دریا کے کنارہ پر ادھر اُدھر پھر رہا تھا اور اس امر کی تیاری میں مصروف تھا کہ مَیں دریا میں کُود پڑوں۔ اور میرے بچاؤ کی کوئی صُورت باقی نہ رہے۔ دفعتہً میرے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھا۔ مَیں کانپ اُٹھا۔ مُڑ کر دیکھا کہ ایک سفید ریش بزرگ جس کے بُشرے سے انتہائی تقدّس اور پاکیزگی ٹپک رہی ہے، کھڑا ہے۔ مَیں نے اُس کی طرف دیکھا، اور اُس کے تقدّس سے مرعوب ہو کر مبہوت رہ گیا۔ اُس نے مجھے تسلّی دی اور کہا کہ بیٹا تم کیا کرنا چاہتے ہو
مَیں۔ حضرت مَیں اِس قدر ذہنی پریشانی میں مبتلا ہوں کہ اس سے نجات پانے کے لئے شدید ترین سزا پانے پر آمادہ ہوں +
بزرگ۔ بیٹا! تُم ایک مصیبت سے بچنے کے لئے ابدی مصیبت کیوں

مول لیتے ہو؟

یہ کہتے ہوئے مجھے اِس بزرگ نے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ چلانا شروع کیا۔ تاآنکہ ہم دونوں ایک پتھر پر جو دریا کے کنارے پانی سے کچھ بلندی پر پڑا تھا۔ پہنچ گئے۔ اُنہوں نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ مَیں بیٹھ گیا۔ اور اُنہوں نے یُوں کہنا شروع کیا:۔

بیٹا! تم نے کبھی غور کیا کہ زندگی میں مایُوسیوں کا سامنا کیوں ہوتا ہے۔ کیوں ہم کو دلشکنی کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ اس کی ایک اور صرف ایک ہی وجہ ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنی امیدوں کو افراد سے وابستہ کر لیتے ہیں۔ جو ہمیشہ زندہ رہنے والے نہیں اور نہ زندگی ایک حال پر قائم رہ سکتی ہے۔ انسان کی فطرت میں تغیّر ہے۔ کوئی فرد ایک حال پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اِس لئے جب تم ایک فرد سے اپنی کوئی اُمیّد وابستہ کر لیتے ہو۔ اپنی توجہ کو تمام تر اسی کی طرف لگا لیتے ہو۔ اور وہ تُم سے رُوگردانی اختیار کر لیتا ہے یا دُنیا سے رُوپوش ہو جاتا ہے تو تم کو مایُوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تُم نے آج اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں کا خاتمہ کرنے کا ذریعہ تو تلاش کر لیا۔ لیکن یہ نہیں سوچا کہ خودکشی سے نسلِ انسانی کو کیا فائدہ ہوگا اُس کی

مصیبتیں اور پریشانیاں بدستور قائم رہیں گی۔ تمہیں ایسا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیئے۔ جس سے بنی نوع انسان کی مصیبتوں کا عام طور پر خاتمہ ہو جائے۔ اپنی مشکلات کا خاتمہ کر لینا اور عالمِ انسانیت کو بدستور مشکلات میں چھوڑ دینا انتہائی تنگ دلی ہے +

اگر مصائب کا خاتمہ کرنا چاہتے ہو تو اس کی ایک اور صرف ایک ہی صُورت ہے کہ افراد کو چھوڑ کر کُل نسلِ انسانی سے اُنس پیدا کرو۔ تمہاری توجہ بنی نوعِ انسان کی مجموعی بھلائی کی طرف مبذول رہے۔ تمہیں اولادِ آدم کو مجموعی حیثیت میں بہتر بنانے کا خیال دامن گیر رہے۔ جب تم یہ مقصدِ زندگی بنا لوگے تو پھر مایُوسی کا امکان جاتا رہے گا۔ اِس لئے کہ نہ تو نسلِ انسانی تمام کی تمام فنا ہو کر تمہیں داغِ مفارقت دے سکتی ہے اور نہ تنزّل کا شکار ہو کر تم کو مایُوس کر سکتی ہے کیونکہ نسلِ انسانی بحیثیت مجموعی ترقّی کرتی رہی ہے اور کرتی رہے گی ؟

اِس بزرگ کی مختصر تقریر نے میرے خیالات کی رَو کو بالکل روک کر میرے ذہن کو ایک نئے عالم سے روشناس کرا دیا۔ اور دفعتاً میری آنکھوں کے سامنے فیروزہ کی صُورت آ گئی جو اس کی تقریر کی

تائید کر رہی تھی۔ فیروزہ کے اِس جلوے نے مجھے یقین دلا دیا کہ واقعی زندگی کو نسلِ انسانی کی بہتری میں صرف کرنا چاہیئے۔ دفعتاً فیروزہ غائب ہوگئی۔ اور مَیں نے مڑ کر دیکھا تو وہ بزرگ بھی غائب تھا۔ مَیں اپنے دل میں ایک نیا جذبہ، اپنے بازوؤں میں ایک نئی طاقت، اپنے ذہن میں ایک نیا جوش پانے لگا۔ اور میں نے اُسی وقت گھر کی راہ لی +

اب مَیں ایک نیا انسان ہوں۔ مَیں غور کر رہا ہوں کہ نسلِ انسانی نے ابتدائے آفرینش سے آج تک کن اسباب کی بنا پر ترقی کی، اور کن کن وجوہ کی بنا پر تنزّل کا شکار رہی۔ قومیں کس طرح بنتی ہیں اور کس طرح بگڑتی ہیں۔ کن اصول پر چل کر آج میری بدقسمت قوم قعرِ ذلّت سے نکل کر معراجِ کمال تک پہنچ سکتی ہے +

۱۳- دسمبر

آج متواتر تین سال کی محنت کے بعد میں اپنے سامنے وہ چیز پڑی دیکھتا ہوں۔ جو آنے والی نسلوں کے لئے حرزِ جان ہوگی۔ اور موجودہ نسل کے لئے عصائے پیری کا کام دے گی +

اِس کوہستان میں مَیں نے افراد اور شخصیّتوں سے بالاتر ہو کر

اقوام و ملل گزشتہ کے افسانوں پر ایک طائرانہ نگاہ دوڑائی۔ میرے سامنے اس کرۂ ارضی پر ایک تماشا ہو رہا تھا۔ جس کا پہلا نظارہ مصر کی سرزمین پر نظر آیا۔ دُوسرا نظارہ دجلہ و فرات کی وادی میں دیکھا پھر ایران کی سرزمین نے نظر کو اپنی طرف متوجّہ کیا۔ اس کے بعد یونان کے خطّہ پر، اور پھر روما کی سرزمین پر نسل انسانی کے ارتقاء کا افسانہ پیش ہُوا۔ آخر اندلس کی سرزمین پر ہلال نمودار ہُوا۔ جس نے ماہِ کامل بن کر تمام مشرق و مغرب کو منوّر کر دیا۔ اس دوران میں ہندوستان۔ چین۔ میکسیکو اور پیرو میں بھی علیحدہ علیحدہ کھیل کھیلے گئے۔ لیکن ان کا تعلّق اس عام تماشے کے ساتھ زیادہ نہ تھا۔

مَیں نے دیکھا کہ کن اسباب سے متاثر ہو کر انسان نے اجتماعی زندگی اختیار کی۔ کن خطّہ ہائے ارض کو اپنی رہایش کے لئے پسند کیا۔ کیونکر انسانی آبادیاں وسعت اختیار کرتی گئیں؟ تمدّن کیسے پیدا ہُوا! ارتقاء کیونکر ہوتا گیا؟ کیوں کبھی کبھی جماعت ہائے انسانی بجائے ترقی کے تنزّل کی طرف جھکیں۔ استبداد نے کس طرح غلام قوموں کی ذہنیت کو تباہ و برباد کیا؟

پھر مَیں نے اپنے تأثّرات کو قلمبند کر کے ایک ضخیم تصنیف تیار کی۔ جس کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ ترقی و تنزّل کے اسباب کیا ہیں؟

آج جو قومیں بلائے بے درماں کی طرح کمزور قوموں کو صفحۂ ہستی سے مٹا رہی ہیں۔ اُن کی کوششوں کو کس طرح روکا جا سکتا ہے؟ مٹتی ہوئی قومیں کس طرح اپنے آپ کو زندہ کر سکتی ہیں؟

اِس وقت تمام کوہستان میں بادل چھا رہے ہیں۔ بارش ہو رہی ہے۔ ہر طرف سر سبز چراگاہیں نظر کو فرحت پہنچا رہی ہیں۔ میں اپنے مکان کے برآمدے میں بیٹھا ہُوا، بارش سے محظوظ تمام منظر کو دیکھ رہا ہوں۔ میرے قریب کوئی متنفّس نہیں۔ مجھے کسی کی یاد نہیں تڑپا سکتی۔ کسی کی بے رُخی مجھے مایُوس نہیں کر سکتی۔ کسی کی بے وفائی میری دلشکنی کا باعث نہیں بن سکتی۔ مَیں نے نسلِ انسانی کی ایک قابلِ یادگار خدمت سرانجام دے دی ہے اور اپنی اِس محنت کو دُنیا کے سپرد کرتا ہوں۔ مجھے اِس بات کی پروا نہیں کہ اس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلے گا یا نہیں۔ اِس لئے کہ امیدیں پیدا کرنا پھر مایُوسی کا امکان پیدا کرنا ہے۔ ہاں، ایک حسرت ہے اور وہ یہ کہ کاش فیروزہ آج زندہ ہوتی، اور اپنے چاہنے والے کی اِس محنت کو اپنے ہاتھوں سے خود قبول کرتی اور دُنیا کے سامنے پیش کرتی۔

اور افضل، ہاں افضل کو بھی شاید اس تصنیف کے دیکھنے سے

مصنف کی طرف متوجہ ہونا پڑے۔ اور اُسے احساس ہو کہ اُس نے ایک قابل قدر محبت کرنے والے دوست کو بے گناہ اپنے راستہ سے ہٹا دیا۔ سنا ہے، وہ دُنیا سے بیزار پھر رہا ہے۔ کاش! وہ مجھ تک پہنچ سکتا۔ کہ میں اب بھی اُس سے محبت کر سکتا ہوں میں آج بھی اُس کی ہر بدسلوکی کو، اُس کی ہر بے رُخی کو، اُس کی ہر نفرت کو معاف کر سکتا ہوں۔ لیکن میں اس وقت اس بلندی پر پہنچا ہُوا ہوں۔ جہاں تک اس کی پرواز کی امید نہیں۔ کاش! اُسے طاقتِ پرواز حاصل ہو جائے +

ہندوستانی معاشرت

جفائے وفا نما

لاہور - ۲۰ - ستمبر

پیاری بہن سلیمہ

ابھی ابھی یہ افسوسناک خبر ملی ہے کہ ہماری پیاری بہن نسیمہ اِس جہان سے چل بسی - یہ بھی سُننے میں آیا ہے کہ اُس نے اسلم کی بعض نہایت ہی ناقابلِ برداشت زیادتیوں سے تنگ آکر خودکشی کی ۔

پیاری بہن - اِس خبر نے گذشتہ دس سال کے واقعات کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے پیش کر دیا ہے - جس وقت مَیں اپنی - تمہاری - اور نسیمہ کی پہلی ملاقات کو یاد کرتی ہوں میرا دل تڑپ جاتا ہے - آہ - قُدرت نے مرحومہ کو کیسی خوش رہنے والی طبیعت - کتنا محبّت کرنے والا

دل - کتنی شرم و حیا والی نظرِ عنایت فرمائی تھی - اور ان محاسن باطنی کے ساتھ حسنِ صورت سے اُس کو کس قدر حصّۂ وافر عطا ہُوا تھا - لیکن یہ دُنیا اچھے لوگوں کے لئے نہیں - ایسی خُوشنما اور خُوش کُن تصویریں بگاڑ ڈالنے کے لئے اور جلد بگاڑ ڈالنے کے لئے بنائی جاتی ہیں - اور اسی لئے نسیمہ بھی اِس جہان سے عالمِ شباب میں رخصت ہوگئی +

جہاں تک میں سوچ سکتی ہوں - نسیمہ ایک محبّت کرنے والی بیوی یا خیر خواہی کرنے والی رفیقۂ حیات تھی - پھر اسلم اِس پر کیوں زیادتی کرتا تھا - پیاری سلیمہ کیا تم اس معاملہ پر کچھ روشنی ڈال سکتی ہو؟

میں نے آج تک صرف دو سہیلیاں بنائی تھیں - ایک تُم اور ایک وُہ یعنی مرحومہ - اور مجھے ہمیشہ اِس بات پر فخر رہا ہے کہ میں نے اپنی صنف کی دو بہترین ہستیوں کو چُنا - بلکہ یُوں کہنا چاہیئے کہ قُدرت نے مجھے بہترین سہیلیاں عطا فرمائیں - میں نے ہمیشہ تم دونوں کے ذوقِ سلیم - وسعتِ مطالعہ - خُوبیٔ ذہن - فکرِ رسا اور شوقِ علم کی انتہائی مسرّت سے داد دی ہے - لیکن افسوس اب ایک کا ساتھ ہمیشہ کے لئے چھوٹ گیا - پیاری بہن - تم دو سال سے متواتر اُس کی ہمسائگی میں رہتی تھیں - کیا تم اُس کے آخری ایّام کا افسانہ مجھے اپنے دلکش انداز میں سُنا سکتی ہو - کیا مرنے سے پیشتر اُس نے اِس دُور اُفتادہ کو بھی یاد کیا تھا؟

سلیمہ بہن - اب میں نسیمہ کو کہاں دیکھوں گی - اس کی پیاری آواز کیونکر سنوں گی - اُس کی محبت بھری نظر کہاں پاؤں گی +

تمہاری دلفگار بہن

جہان آرا

شملہ - ۳۰ ستمبر

میری پیاری بہن جہان آرا

تمہارا خط ملا - تُم نے ایک بھرے دل کو چھیڑ کر رنج وغم کا دریا بہادیا ہے - میری پیاری بہن خدا کا شکر ادا کرو کہ تم یہاں نہ تھیں - ورنہ نسیمہ کی حسرتناک موت کا منظر دیکھ کر تم کبھی اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکتیں - آہ - اُس حسرت نصیب کے آخری ایّام کس انتہائی رنج واندوہ میں گزرے - خدا جانے قُدرت نے اُس نیک سیرت خاتون سے کس بات کا انتقام لیا +

پیاری بہن تُم چاہتی ہو کہ میں تمہیں اُس کا افسانۂ رنج سناؤں لیکن شاید تم نے یہ نہیں سوچا کہ رنج کا افسانہ سُننا کتنا رنجدہ ہوتا ہے - اور پھر نسیمہ کا افسانۂ رنج +

آہ - نسیمہ چل بسی - اور دُنیائے وفا میں ایک ایسی جگہ چھوڑ گئی جو کبھی پُر نہیں ہو سکتی - دُنیا میں محبت کے واقعات ہمیشہ ہوا کئے لیکن الفت کے

انتہائی جذبہ میں سرشار رہ کر جس قدر صبر اور خاموشی سے اُس نے کام لیا۔ اُس کی مثال دُنیا میں کم ملے گی۔ تم جانتی ہو کہ دماغ میں پیدا ہونے والے خیالات کسی نہ کسی طریق سے ظاہر ہُوا ہی کرتے ہیں چنانچہ اُس نے بھی انتہائی اندوہ الم کی حالت میں اپنے خیالات چند شعروں میں بیان کئے تھے۔ یہ شعر کسی کو سُنانے کے لئے نہیں لکھے گئے تھے۔ بلکہ محض دردِ دل کے ہلکا کرنے کے لئے لکھے گئے تھے۔ مرنے سے ایک روز پیشتر مرحومہ نے مجھے بُلایا اور جب مَیں اُس کے پاس جا کر بیٹھی تو مجھ سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔ لیکن نہ کہہ سکتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ اُس کی نگہ بارہا ایک کاغذ پر پڑتی تھی۔ جسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ چھپانا چاہتی ہے۔ مَیں نے ایک نظر اُس پر ڈالی تو معلوم ہُوا کہ دُوسری طرف کچھ لکھا ہے۔ میں نے اچانک اُس کاغذ کو اُٹھا لیا۔ اُس پر یہ شعر لکھے تھے۔ جہان آرا بہن ان شعروں میں شاید فن کی غلطیاں نکلیں۔ لیکن ان کو اِس نظر سے دیکھنا کہ دل کے جذبات کو کس خوبی سے ظاہر کیا ہے ؎

جن سے اُمیدِ جاں نوازی تھی — دُشمنِ جانِ ناتواں نکلے
ہم کو جن سے گُمانِ نیک رہا — خود وُہی ہم سے بدگماں نکلے
جن کی خاطر مٹے جہاں سے ہم — غیر ہی پر وُہ مہرباں نکلے

دل میں ارماں جو ہو گئے پیدا — کب وہ پھر زیرِ آسماں نکلے
دیکھئے انتہائے ناز و نیاز — قتل گہ سے وہ نغمہ خواں نکلے
ذبح کرتے ہیں جاں نثاروں کو — حوصلے اُن کے بھی کہاں نکلے
جن کی خاطر دیا تھا سر ہم نے — ہم سے تو وہ بھی سر گراں نکلے

اُس روز مجھے احساس ہُوا کہ نسیمہ کی ذہنی پریشانی اب حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے لیکن یہ خیال پھر بھی نہ تھا۔ کہ یہ چیز اب اس کے لئے اس حد تک ناقابلِ برداشت ہو گئی ہے کہ وہ زندگی کو ختم کر دینے کی فکر میں ہے۔ چنانچہ اس کے بعد کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوئیں۔ اور پھر اُس نے مجھ سے کہا "بہن سلیمہ مرنے کے بعد لوگ جلد مرنے والے کو بھول جاتے ہیں" میں نے کہا "ہاں بہن۔ دُنیا کا طریقہ یہی ہے" کہنے لگی "تو کیا تم بھی اسی طرح مجھے بھول جاؤ گی" میں نے کہا "ایسی باتیں زبان پر نہ لایا کرو" بولی "بہن۔ ایسے ہی خیال آیا تھا کہ اگر میں مر جاؤں تو دُنیا والے مجھے بہت جلد بھُول جائیں گے۔ اور پھر ایسا معلوم ہوگا گویا میں کبھی تھی ہی نہیں" اتنا کہہ کر اُس نے خاموشی اختیار کر لی۔ میں نے پھر زیادہ کد و کاوش نہ کی شام کے قریب گھر آ گئی۔ صبح ابھی نماز کے لئے وضو کیا ہی تھا کہ اطلاع ملی۔ کہ نسیمہ نے رات افیم کھا لی۔ اور صبح ہوتے ہوتے جاں بحق ہو گئی:

پیاری جہاں آرا خط لمبا ہو گیا ہے اور گھر کے بہت سے کام کرنا ہیں۔ اور اُن کی طبیعت بھی کچھ دنوں سے علیل ہے اس لئے آج ختم کرتی ہوں۔ آئندہ اسی طرح تھوڑا تھوڑا قصّہ لکھتی رہوں گی۔ دل زیادہ دیر تک ان باتوں کو بیان کرنا گوارا نہیں کرتا۔ اور یوں تھوڑا تھوڑا لکھنے میں بھی ایک عرصہ صرف ہو جائیگا اس لئے کہ ؎

سہ چیز است آنکہ پایانے ندارد

شبِ من۔ دردِ من۔ افسانۂ من

میں اختصار کے ساتھ گزشتہ دو سال کے حالات بیان کرونگی۔ مرحومہ کی داستانِ غم سُننا چاہتی ہو تو پتھر کا قلب و جگر لے کر سُننے بیٹھنا۔

تمہاری غمزدہ بہن

سلیمہ

شملہ۔ ۱۰ اکتوبر

پیاری بہن جہاں آرا

تمہارا خط ملا۔ تمہاری ہمدردی کا شکریہ۔ الحمد للہ کہ اب اُن کی طبیعت اچھی ہے۔

پیاری بہن۔ میں نے پچھلے خط میں وعدہ کیا تھا کہ نسیمہ مرحومہ کی داستان

تمہیں بالاقساط سناؤں گی۔ چنانچہ آج شروع کرتی ہوں :۔

تم کو یاد ہو گا کہ آج سے تین سال پیشتر جب کہ ابھی ہم میں سے کسی کی شادی نہ ہوئی تھی۔ ہمارے درمیان اکثر شادی کے مسئلہ پر گفتگو ہوا کرتی تھی۔ اور یہ بھی تم کو یاد ہو گا کہ جہاں میں اور تم دونوں اکثر مردوں کی بے رحمی اور سفاکی کی شکایت کیا کرتی تھیں۔ نسیمہ اکثر یہ کہا کرتی تھی۔ کہ مرد کے دل کو اپنی طرف مائل کر لینا عورت کے اختیار میں ہے۔ اگر کوئی مرد عورت پر تشدد کرتا ہے۔ تو اُس عورت میں کوئی بہت بڑا نقص ہو گا ؛

نسیمہ نے اپنی شادی کے بعد اپنا یہ دعویٰ ثابت کر دکھایا۔ اور اسلم اُس کا ایسا گرویدہ ہو گیا۔ کہ اُس کا اپنی آنکھوں سے اوجھل ہونا اُسے کبھی گوارا نہ ہوتا۔ کبھی وہ اُس کے چہرے پر محبت سے نظر جمائے رہتا۔ اس لئے کہ وہ چہرہ قدرت نے انتہا درجہ کا حسین بنایا تھا۔ اور کبھی اسلم نسیمہ کی محبت بھری نگاہوں کا مزہ لیتا۔ کبھی اس کے جذبۂ خدمت گزاری سے متاثر ہو کر اُس کا شیدائی بنتا۔ دن بھر کے کام کاج سے تھک کر جب شام کو گھر آتا تو گو اُس وقت سخت بھوک محسوس کر رہا ہوتا۔ لیکن جب تک نسیمہ اُس کے سامنے دستر خوان پر نہ آ بیٹھتی۔ وہ ایک لقمہ منہ میں نہ ڈالتا۔ بہت دفعہ ایسا ہوا۔ کہ ملازمہ نے کھانا چن دیا۔ اسلم کو

بُھوک نے تنگ کر رکھا ہے اور نسیمہ کسی وجہ سے جلد شامل نہیں ہو سکی لیکن اسلم نے برابر اُس وقت تک انتظار کیا۔ جب تک کہ وہ فارغ ہو کر اُس کے پاس آگئی +

نسیمہ اور مَیں ہر دُوسرے تیسرے روز ملا کرتی تھیں اور وہ بڑی خوش و خرّم اور مطمئن نظر آتی۔ ایسا معلوم ہوتا کہ دُنیا میں وہ بہت ہی خوش نصیب تھی۔ کہ کوئی ایسی خوشی نہیں جس کی اُسے خواہش ہو۔ یا جو اُسے حاصل نہ ہوا۔ جہان آرا بہن۔ ایک عورت کے لئے اس سے زیادہ اَور راحت کا باعث ہو بھی کیا سکتا ہے کہ اُس کا شوہر اُس پر شفقت رکھنے والا ہو۔ اُس سے محبّت رکھتا ہو۔ اور اُس کی محبّت کی قدر کرنے والا ہو۔ اسلم اور نسیمہ دونوں ایک دُوسرے کے شیدائی تھے۔ اور دونوں ایک دُوسرے سے کمال محبّت رکھتے تھے +

افسوس ہے کہ اس سے زیادہ آج نہیں لکھ سکتی۔ اُن کے لئے پرہیزی کھانا تیار کرانا ہے۔ اور آج وہ دفتر جاتے ہوئے کہتے گئے کہ تم اپنے ہاتھ سے پکانا۔ اِس لئے زیادہ وقت کسی اَور کام میں صرف نہیں کر سکتی +

تمہاری دُور افتادہ

سلیمہ

شملہ - ۱۲ر اکتوبر

پیاری بہن

مَیں نے پرسوں تمہیں ایک خط لکھا تھا - آج پھر جلد ہی موقع مل گیا ہے - آج وہ ایک دوست کے ہاں ایک تقریب میں شامل ہونے کے لئے گئے ہیں - اور رات بھر وہیں رہیں گے - اِس وقت رات کے نَو بجے کا وقت ہے - شملہ ایسے شہر میں اس وقت خوفناک خاموشی چھا رہی ہے - اس لئے کہ موسمِ گرما کے مُسافر اب میدانوں میں اُتر گئے ہیں - اور وہ شہر جو تمام ہندوستان کے لوگوں کا کعبۂ مقصود بنا رہتا تھا - اب بے رونق ہو رہا ہے - اِس خاموشی میں بیٹھی خط لکھ رہی ہوں - اور میری توجہ پُوری طرح نسیمہ کی طرف لگی ہے - اُس کی زندگی کے آخری ایّام کا لمحہ لمحہ میرے سامنے ہے اور مَیں آج کوشش کروں گی کہ جس قدر تفصیل اُن ایّام کے حالات کی دی جا سکے دیدوں - اس سے یہ دلفگار داستان جلد ختم ہو جائے گی اور تم بھی زیادہ دیر تک وقفِ انتظار نہ رہو گی -

نسیمہ اور اسلم ایک دُوسرے پر والہ و شیدا تھے دونوں ایک دُوسرے کی صُورت دیکھ دیکھ کر محظوظ ہُوا کرتے تھے - دونوں ایک دُوسرے کی موجُودگی میں دُنیا و مافیہا سے مستغنی رہتے - اور دونوں کو

دُنیا کی کسی اَور خوشی کی تمنا نہ تھی +

اِس دوران میں (؟ پچھلے موسم گرما کے ابتدا ہی میں) ناسازیٔ طبع کے باعث میں مجبور ہو گئی کہ والدہ کے پاس انبالہ چلی جاؤں۔ چنانچہ میں نسیمہ سے ملنے گئی۔ جب اُسے میری روانگی کا علم ہُوا۔ بہت متاسف ہوئی۔ مَیں نے کہا " بہن جب مَیں چلی جاؤں گی۔ تمہاری اپنی دلچسپیاں میرے خیال کو تمہارے دماغ میں نہ آنے دیں گی " کہنے لگی " یہ کیا کہتی ہو۔ مَیں ایسی ناشکر گزار نہیں کہ تم ایسی ہستی کو فراموش کر سکوں۔ تمہاری اور جہان آرا کی یاد عُمر بھر میرے دل سے نہیں نکل سکتی " میں نے کہا " عورت جب مرد کے ساتھ وابستہ ہو جائے۔ اور اُس وابستگی میں وہ حقیقی خوشی پا رہی ہو تو پھر وہ اپنی صنف سے بیزار ہو جاتی ہے " اِس پر وہ کچھ شرما سی گئی۔ اور گفتگو کا رُخ پلٹ دیا۔ اُس روز جب میں اُس سے رخصت ہو رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے میں نے اُسے تسلّی دی۔ اُس کی پیشانی کو چوما۔ اور خدا حافظ کہتی ہوئی اُسے محوِ گریہ چھوڑ کر گھر آ گئی +

انبالہ پہنچنے پر اُس کا ایک خط مجھے دس بارہ روز بعد ملا۔ جس کے بعض فقرے اس داستان کی درمیانی کڑیوں کا کام دے سکتے ہیں۔ اِس لئے اُن کو نقل کرتی ہوں۔ اُس نے لکھا:-

"جب سے تم گئی ہو۔ مَیں اکثر اُداس رہتی ہوں۔ باوجود اس بات کے کہ وہ میری راحت اور آسایش کا ہر طرح خیال رکھتے ہیں۔ اور باوجود اس بات کے کہ اُن کی محبّت بھری نظر سے مَیں اپنے دل میں انتہائی راحت پاتی ہوں۔ پھر بھی مجھے خواہش رہتی ہے کہ میری کوئی ہم جنس ہو جس کے پاس بیٹھ کر میں اپنا کچھ وقت صرف کروں۔ وہ ہر وقت میرا دل بہلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جس قدر وہ اِس بات کی کوشش کرتے ہیں مَیں اُن کی زیادہ شیدا بنتی چلی جاتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی اِس نظرِ عنایت کو میری طرف ہمیشہ اسی طرح مبذول رکھے۔ اِس لئے کہ اگر اِس شمع کی روشنی خدانخواستہ میری طرف سے ہٹ کر کسی اور جانب کو "منوّر کرنا شروع کردے۔ تو پروانہ دار میری حیات کا باعث جاتا رہے گا۔ اور مَیں سوائے اس کے کہ ایک آن واحد میں فنا ہو جاؤں اور کچھ نہ کر سکوں گی"۔

اس سے دُوسرے روز ہی نسیمہ کا ایک اَور خط ملا جس میں لکھا تھا کہ "مجھے ہر وقت اُداس رہتا دیکھ کر کل اُنھوں نے اپنے دوست آصف کو کہا کہ وہ اپنی بہن انوری کو ہمارے ہاں بھیجیں تاکہ میرا دل اُس سے باتیں کرنے میں کس قدر بہل جائے۔ چنانچہ آج انوری آئی۔ اور میرا دل واقعی بہت بڑی حد تک بہلا رہا۔ انوری خوبصورت ہے۔ باتیں

بہت کرتی ہے۔ اُس کے طرزِ عمل اور طریقِ گفتگو سے انسان بہت متاثر ہوتا ہے۔ اور دل میں اس کے لئے محبّت پیدا ہوتی ہے۔ وہ خود بھی بہت محبّت کرنے والی لڑکی ہے۔ بہت جلد خود بھی دُوسرے سے مانوس ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے کو بھی اپنے ساتھ مانوس کر لیتی ہے۔ اگر تم اُس سے ملو۔ تو تم بھی اُس کو ایک بہت پیاری لڑکی پاؤ گی۔

"لیکن جہاں انوری نے پہلی ملاقات میں مجھ پر اچھّا اثر پیدا کر لیا ہے۔ وہاں اُس کی بعض باتیں مجھے بہت عجیب معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ جس وقت وہ دفتر سے آئے تو اُنہیں معلوم نہیں تھا کہ وہ یہاں آئی ہوئی ہے۔ چنانچہ وہ حسبِ معمول سیدھے اندر چلے آئے۔ اندر آتے ہی اُن کی نظر انوری پر پڑی۔ وہ جھجک کر کھڑے ہو گئے اور اس انتظار میں رہے کہ اجنبی لڑکی پردہ کر لے۔ لیکن انوری بجائے پردہ کرنے کے اُسی طرح بیٹھی رہی۔ اگر کیا تو فقط یہ کہ دوپٹّہ جو سر سے سرک کر کندھوں پر پڑا ہوا تھا۔ اُسے سر پر کر لیا۔ لیکن وہ بھی اِس طریق سے کہ اگر پہلے کسی کی نظر اُس کی طرف نہ پڑی ہو تو اب ضرور ہی پڑے۔ بہن سلیمہ تم کو معلوم ہے میری طبیعت شعر کی طرف زیادہ راغب ہے۔ ہر موقع پر مناسب شعر میری زبان پر آجاتا ہے۔ اور وہ بھی ہمیشہ اِس چیز کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ

ہے کہ میری یہ استعداد دن بدن بڑھتی رہتی ہے۔ چنانچہ جب انوری نے دوپٹہ سنبھالا اور خفیف سا پردہ کیا تو میری زبان پر یہ شعر آیا اور قریب تھا کہ میں بلند آواز سے پڑھ دوں۔ لیکن کچھ جھجک پیدا ہوگئی ؎

چھپے جو ہم سے تو کیا یہ بھی اک ادا نہ ہوئی
وہ چاہتے تھے نہ دیکھے کوئی ادا میری"

پیاری بہن جہان آرا۔ اس کے بعد کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ انوری کا آنا جانا باقاعدہ جاری ہو گیا۔ اور دن بدن وہ زیادہ بے تکلفی سے اسلم کے سامنے اُٹھنے بیٹھنے لگی۔ چنانچہ دوپٹہ سر پر ڈال لینے کی ضرورت بھی نظر انداز ہونے لگی۔ نسیمہ بہت خوش تھی کہ اسلم اُس کی سہیلی سے بڑا اچھا برتاؤ کرتا ہے۔ اور کبھی ان دونوں کی ملاقات میں حارج نہیں ہوتا۔ اور جب وہ یہ محسوس کرتی کہ اُس کا دل بہلانے کے لئے اسلم نے انوری کا تعارف اس سے کرا دیا۔ اور اُسے یہاں آنے کی ہر وقت اجازت دے رکھی ہے۔ تو اُس کے دل میں اسلم کی محبت اَور بھی زیادہ بڑھتی۔ انوری دن رات میں کسی وقت بھی اُن کے ہاں آجاتی۔ اسلم پیشانی پر بل نہ لاتا۔ بلکہ اُسے اور نسیمہ کو آپس میں خوش و خرم باتیں کرتا دیکھ کر بہت خوش ہوتا۔ جب کبھی نسیمہ کو اداس خیال کرتا۔ ملازم لڑکے کو بھیج کر انوری کو بلا لیتا اور کہتا "تمہاری بہن

پھر اُداس ہو رہی ہیں انہیں سمجھاؤ"۔ اور نسیمہ انوری کی ایک دو باتوں ہی سے خوش خوش نظر آنے لگتی ؀

تمہاری سلیمہ

انبالہ۔ ۲۰؍ اکتوبر

میری پیاری جہان آرا

حکومت کے دفاتر شملہ سے دہلی چلے گئے ہیں۔ اور چونکہ ابھی وہ دہلی میں مکان کا انتظام مناسب طور پر نہیں کر سکے۔ اِس لئے میں یہاں رہ گئی ہوں۔ انشاء اللہ ہفتہ عشرہ تک دہلی چلی جاؤں گی۔ میری طبیعت آجکل بہت پریشان رہتی ہے۔ ایک تو اِس وجہ سے کہ اُن سے دُور رہنا میرے قلب پر بہت شاق گزرتا ہے۔ وہ میرے ساتھ اس قدر محبت اور شفقت کا برتاؤ کرتے ہیں کہ جی چاہتا ہے ہر وقت ان کو اپنے سامنے دیکھوں۔ اور زندگی کا ہر لمحہ اُن کی خدمت گزاری میں صرف کروں۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اُس نے اپنے فضل و کرم سے مجھے اِس بارے میں خوش نصیب بنایا ؀

لیکن پیاری بہن جہاں ہیں ہر وقت اِس لمحہ کے انتظار میں ہوں جبکہ اُن کو دیکھ سکوں۔ اِس لئے کہ اُن سے علیحدگی ناقابل برداشت

ہے۔ وہاں میرے جلد دہلی جانے کی خواہش کا سبب یہ بھی ہے کہ اسلم نے جو کچھ کیا اُس کو دیکھ کر میرے دل میں مردوں کے متعلق بہت حد تک بدگمانی پیدا ہوگئی ہے۔ مَیں سمجھنے لگی ہوں کہ مرد کے لئے ہر عورت سے دُور رہنا اور اُس کے دام میں نہ آنا اُسی وقت ممکن ہے۔ جبکہ اُس کی بیوی اُس کو دوسری عورتوں سے روکنے کی کوشش کرے۔ ورنہ باوجود گھر میں محبّت کرنے والی سلیقہ شعار۔ خوبصورت اور معصوم بیوی ہونے کے وہ دوسری عورتوں کی طرف راغب ہونے سے بچا نہیں رہ سکتا۔ خدا جانے مرد اور عورت کی فطرت میں اتنا بڑا اختلاف کیوں ہے ؛

بہرحال آجکل طبیعت اُداس اور پریشان ہے ؛

مَیں پچھلے خط میں بیان کر رہی تھی کہ انوری کا نسیمہ کے ہاں آنا جانا عام ہوگیا تھا۔ وہ اسلم سے پردہ بھی نہ کرتی تھی۔ اور اسلم انوری کا اپنے ہاں آنا اچھا جانتا تھا۔ بلکہ ذرا نسیمہ اُداس نظر آئی اور اُس نے انوری کو بُلا لیا۔ اور نسیمہ معصوم نسیمہ۔ اِس بارے میں بے سمجھ نسیمہ یہ سمجھتی تھی۔ کہ اسلم اس پر اِس قدر شفیق ہے کہ خود تکلیف اُٹھاتا ہے۔ لیکن اُس کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے ؛

ایک روز انوری اور نسیمہ دوپہر کے وقت بیٹھی باتیں کر رہی تھیں

بیٹھے بیٹھے دفعتہً انوری کانپ اُٹھی - اور اس کے بعد گر پڑی - گرتے ہی اُس کی آنکھیں بند ہو گئیں - اور وہ بیہوش ہو گئی - نسیمہ نے گھبراہٹ کی وجہ سے چیخ ماری اسلم جو دوسرے کمرے میں بیٹھا مطالعہ کر رہا تھا بھاگا ہوا آیا نسیمہ کو کہا کہ پانی لائیے - اور خود انوری کے پاس بیٹھ گیا - جس وقت نسیمہ پانی لے کر آئی اسلم انوری کے گریبان کے بٹن کھول کر اُسے پنکھا کر رہا تھا - ایک ہاتھ سے نبض محسوس کرنے کی کوشش بھی کرتا تھا - نسیمہ دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور اُس نے محبت بھری نظر سے اسلم کی طرف دیکھا - جس کو محسوس کر کے اسلم نے انوری کی طرف اور بھی زیادہ توجہ دینا شروع کی - چنانچہ پانی اُس کے مُنہ پر چھڑکا گیا - اور چند قطرے اُس کے منہ میں چمچہ کے ذریعے ڈالے گئے - اور یہ سب کچھ اسلم نے کیا - اس لئے کہ نسیمہ بالکل بدحواس ہو رہی تھی - اُس نے ہر کام اسلم کے سپرد کر دیا تھا - اور خود پرے ہٹ کر منہ کو ہاتھ سے چھپائے رو رہی تھی - اسلم نے کچھ دیر کے بعد دیکھا کہ انوری کی آنکھیں کھُلیں - سامنے اسلم نظر آیا - پہلے اس کے لبوں پر مُسکراہٹ ظاہر ہوئی - پھر فطری حیا طاری ہوئی - اور پھر اُس نے آنکھیں اچھی طرح کھولیں اور ساتھ ہی مغموم بن گئی - اسلم نے اُس کو حوصلہ دیا اور کہا کہ فکر کی کوئی بات نہیں - لیکن وہ رونے لگی اور پوچھنے لگی "مجھے

کیا ہو گیا ہے۔ ہیں مرنے لگی ہوں۔ اب کیا ہو گا۔ اسلم اُسے دلاسا دینے کی کوشش کرتا رہا۔ انوری اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اور پھر ایسا معلوم ہُوا کہ گرنے لگی۔ بلکہ گری۔ لیکن اس طریق پر کہ اب اس کا سر بجائے زمین پر ہونے کے اسلم کی گود میں تھا +

عین اُس وقت نسیمہ نے سر اُٹھایا۔ اور اسلم سے کہا کہ اب کیا حال ہے۔ اُس نے جواب دیا آرام ہے۔ نسیمہ آگے بڑھی اور کوشش کرنے لگی کہ انوری کو اُٹھا کر ایک کوچ پر لٹا دے۔ لیکن اسلم نے کہا کہ بے آرام ہو گی۔ چنانچہ نسیمہ سامنے بیٹھ گئی اور انتظار کرنے لگی کہ انوری اُٹھے اور اُس سے باتیں کرے +

قریباً ایک گھنٹہ انتظار کرنے کے بعد نسیمہ اُٹھی اور اُس نے اسلم سے کہا: "اب اسے کوچ پر لٹا دیجئے۔ آپ تھک گئے ہونگے" اور یہ کہتے ہوئے خود نسیمہ نے انوری کے اُٹھانے کی کوشش کی۔ اور اُس وقت اُسے محسوس ہُوا کہ انوری کا ہاتھ اسلم کے گھٹنے پر بڑی شدت کے ساتھ رکھا ہے۔ چنانچہ اُس نے انوری کو اُٹھانے کی خاص کوشش کی ...... فقط

تمہاری سلیمہ

دہلی۔ یکم نومبر

پیاری بہن جہان آرا

مَیں دو روز ہوئے یہاں پہنچ گئی تھی۔ امسال مکان کی تلاش میں اُنہیں بہت دِقّت پیش آئی۔ الحمد للہ کہ خاطر خواہ انتظام ہو گیا۔ اب بفضل خدا مجھے اطمینان و سکون حاصل ہو گیا ہے*

جس روز انوری بیہوش ہوئی تھی اُس کے ایک ماہ بعد میں انبالہ سے شملہ پہنچ گئی تھی۔ دوسرے دن مَیں نسیمہ سے ملنے گئی۔ اور میں نے اُسے بہت خوش و خرم پایا۔ کچھ دیر تک باتیں ہوا کیں۔ پھر اُس نے انوری کو بُلا بھیجا۔ چنانچہ وہ آئی اور بڑے تپاک سے ملی۔ بڑی شوخ لڑکی تھی۔ خندہ پیشانی۔ خوبروئی اور بے تکلّفی اُس کے اوصاف خصوصی تھے۔ اُس روز کے بعد چند روز میں نے اُس کو بغور دیکھا۔ اور اندازہ لگایا کہ اس کے جذبات بڑے زبردست ہیں۔ جس وقت وہ کسی سے مانوس ہو جاتی ہے تو اپنے دِلی جذبات کا حال ظاہر کر دینے میں اُسے بالکل باک نہیں ہوتا۔ جس سے اُسے ذرا محبّت ہو جاتی ہے اُس کے ساتھ وہ زبان اور حرکات سے ہر ممکن طریق سے اظہار کر دیتی ہے*

سلیمہ۔ تم جانتی ہو کہ اگر عورت خود مرد پر اپنے جذبات کا اظہار کر دے تو مرد کے لئے اُس سے کچا کچا رہنا ناممکن ہے۔ عورت کا ایک ادنےٰ

اشارہ مردِ کو از خود رفتہ بنا دیتا ہے۔ جس مردِ کو کسی عورت سے محبت ہو وہ اُس کو خوش کرنے کے لئے ہر طرح کے ایثار اور قُربانی پر آمادہ رہتا ہے۔ وہ عورت کے لئے دُنیا بھر کو چھوڑ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری صنف کی تاریخ نے یہ روایت پیدا کر دی ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان اگر اُنس پیدا ہو جائے تو عورت مرد کی طرف نہ بڑھے۔ بلکہ مرد خود بخود عورت کی طرف بڑھے گا +

غرضکہ انوری اسلم سے مانوس ہو گئی۔ اور اسلم اِس لئے اُس کی طرف دن بدن زیادہ توجّہ رکھنے لگا۔ نسیمہ خوش تھی اور اُس کی محبّت دونوں کے لئے بڑھتی جا رہی تھی۔ اسلم سے اِس لئے کہ وہ انوری کی طرف توجہ کرتا جو اُس کی ایک سہیلی تھی اور انوری سے اس لئے کہ وہ اُس کے شوہر کی خیر خواہ تھی +

ایک روز انوری کو بخار ہو گیا۔ اور بخار نے بڑھتے بڑھتے نمونیا کی صُورت اختیار کر لی۔ نسیمہ اور اسلم ہر روز اُس کی خبر گیری کے لئے جاتے۔ آصف گھر کے معاملات سے اکثر بے توجہی برتتا تھا۔ اِس لئے انوری اُس کی شاکی رہتی۔ اور جب بھائی خبر گیری نہ کرتا تو بھاوجہ کو کیا ضرورت تھی کہ زیادہ متردد ہوتی۔ اِس صُورت حالات سے متاثر ہو کر ایک روز انوری نے نسیمہ کی موجودگی میں اسلم سے کہا کہ "بھائی

ڈاکٹر کو خبر پہنچا آؤ۔" چنانچہ وہ گیا اور دوائی وغیرہ لایا۔ چند روز تک انوری کی تکلیف بڑھتی رہی۔ ایک روز شام کے قریب نسیمہ اپنے ہاں بیٹھی اسلم کا انتظار کر رہی تھی کہ وہ ڈاکٹر کو انوری کی خبر پہنچا کر آئے اور اُسے بھی مریضہ کا حال بتائے اس لئے کہ درد سر کی وجہ سے آج وہ خود نہ جا سکتی تھی۔ چنانچہ اسلم آیا اور یہ کہہ کر اُسے تکلیف زیادہ ہے تھوڑی دیر گھر پر ٹھہرا اور اس کے بعد پھر باہر نکل گیا۔

نسیمہ گھر پر اکیلی تھی۔ اس لئے اُسے بہت پریشانی ہوئی۔ رات کے دس بجے ہوں گے۔ نیند اُسے ستا رہی تھی لیکن اُس کا خیال اسلم کی طرف تھا۔ اس لئے سو نہ سکی۔ گیارہ بجے تک غور و فکر کرنے کے بعد نسیمہ نے مُلازم لڑکے کو جو باہر برآمدے میں سو رہا تھا اُٹھایا اور کہا کہ آصف کے یہاں جا کر دیکھے کہ میاں اسلم وہاں تو نہیں ہیں۔ لڑکا گیا اور نصف گھنٹے میں واپس آ کر کہنے لگا کہ اسلم وہیں تھے۔ آج پہلا موقعہ تھا کہ نسیمہ کو اسلم کا وہاں جانا شاق گزرا۔

وہ سوچ رہی تھی کہ کیا اسلم کو انوری کی پرواہ اس حد تک ہونی چاہیئے تھی کہ وہ اپنی بیوی کو اکیلا چھوڑ دے۔ کیا اسلم کے دل میں اپنی بیوی کے آرام اور راحت سے زیادہ ایک دوسری عورت کے آرام اور راحت کا خیال ہونا چاہیئے۔ کیا انوری نے اسلم کے دل میں

اتنا اثر پیدا کر لیا ہے کہ رات کو سکون و اطمینان کا حاصل ہونا اب اُسی کے پاس بیٹھنے سے ممکن ہے۔

یہ خیالات ایک آنِ واحد میں اُس کے ذہن میں آئے اور پھر رفع ہو گئے۔ اِس لئے کہ اُس نے محسوس کیا کہ اسلم ایک نرم دل انسان ہے۔ اُس کی حسّاس طبیعت دوسرے کی تکلیف گوارا نہیں کر سکتی۔ اور نسیمہ کی محبّت اُس کے دل میں اِس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ اُس کی ایک سہیلی کی خدمت گزاری وہ ہر دوسرے کام سے زیادہ اہم سمجھتا ہے۔ ان دوسرے خیالات نے پیدا ہو کر نسیمہ کو ملامت کی کہ وہ کیوں اپنے ذہن میں اسلم کے متعلق بدگمانی کا خیال لائی چنانچہ رات کو بارہ بجے کے قریب اسلم جب گھر آیا تو اُس نے بڑے تشویش ناک لہجہ میں پوچھا کہ انوری کا کیا حال ہے۔ اسلم نے بتایا کہ آج معلوم ہوتا ہے اُس کی تکلیف کی انتہا ہو گئی۔ اور اب انشاءاللہ وہ بہت جلد تندرست ہو جائے گی۔ اِس لئے کہ انتہائی تکلیف اُٹھا لینے کے بعد آج ہی اُس کی طبیعت سکون پذیر ہو گئی تھی۔ اور ایسی بیماریوں میں یہی ہُوا کرتا ہے۔ ساتھ ہی اُس نے یہ بھی کہا کہ آصف معلوم نہیں کس قسم کا آدمی ہے۔ گھر میں تکلیف کا یہ حال تھا اور وہ تھیٹر پر گیا ہُوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انوری کے پاس بیٹھنا میرے لئے ضروری ہو گیا۔ اور میں بھی

اُٹھ کر چلا آتا تو اُس کا کیا حال ہوتا۔ نسیمہ نے اسلم کو یقین دلایا کہ وہ اُس کے اِس فعل سے بہت خوش ہے۔ اور اُس کو اپنی بے چینی اور بے آرامی کی پرواہ نہیں اِس لئے کہ اسلم نے اُس کی سہیلی کے آرام کے لئے سب کچھ کیا ۔

پیاری بہن جہان آرا۔ نسیمہ کی نیک دلی اور خلوصِ نیّت کا اندازہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے دل کو کیسا شکوک و شبہات کی آلائشوں سے پاک و صاف بنایا تھا۔ اور حقیقت میں معصوم انسان دوسروں کو بھی نیک نیّت سمجھتا ہے۔ جن کے دلوں میں بُرائی ہو وہی دوسروں سے بُرائی کی اُمید رکھتے ہیں۔ جو خود نیک ہوں دوسروں کی طرف بُرے خیالات منسوب نہیں کرتے ۔

تمہاری غمزدہ بہن
سلیمہ

دہلی۔ یکم دسمبر

پیاری بہن جہان آرا

آج پورے ایک ماہ بعد لکھنے بیٹھی ہوں۔ اِس عرصہ میں تمہارے تین خط آئے۔ لیکن میں بیماری کی وجہ سے جواب نہ دے سکی۔ اب

بفضلِ ایزدی آرام ہے +

جس روز کا ذکر میں پچھلے خط میں کر چکی ہوں۔ اُس کے اگلے روز نسیمہ نے شام کے قریب اسلم سے کہا کہ چلو انوری کی خبر لے آئیں۔ رات کے نو بجے کا وقت تھا۔ دونوں گئے انوری کمرے میں اکیلی لیٹی ہوئی تھی۔ اِن دونوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ قریباً ایک گھنٹہ اسلم اور نسیمہ اُس کے پاس بیٹھے رہے۔ جب اُٹھ کر چلنے لگے تو انوری نے نسیمہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا آج رات کو میرے پاس رہو۔ کل رات میرے پاس کوئی نہ تھا۔ بھائی اور بھاوجہ نے خبر تک نہیں لی۔ یہ کہتے ہی انوری رونے لگی۔ نسیمہ کا دل بھر آیا۔ اُس کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔ اسلم نے کہا کہ نسیمہ کے لئے رات کا جاگنا مشکل ہے۔ اور اس لئے اُس کا یہاں رہنا بے فائدہ ہے۔ اس پر انوری نے نسیمہ کا ہاتھ چھوڑ کر اسلم کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور چارپائی پر بٹھا لیا۔ اور ساتھ ہی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار باندھے ہوئے نسیمہ سے کہا کہ بہن خدا کے لئے میرے پاس انہیں کو چھوڑ جاؤ۔ ورنہ میں اس کس مپرسی کی حالت میں مر جاؤں گی۔ اسلم نے انوری کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ انوری کی آنکھوں سے حسرت اور اشتیاق ٹپک رہا تھا۔ جس کا مقابلہ اسلم نہ کر سکا۔ اور اُس نے نسیمہ سے کہا کہ چلو میں تمہیں گھر پہنچا آؤں۔

چنانچہ انوری کو تسلّی دے کر وہ نسیمہ کو گھر لے گیا +

گھر پہنچ کر نسیمہ بہت حیران و ششدر تھی۔ اسلم نے کہا تم متفکر کیوں ہو۔ نسیمہ نے کہا۔ آپ مجھ کو کس کے بھروسہ پر چھوڑے جاتے ہیں۔ اسلم نے کہا یہاں کسی بات کی فکر نہیں اور انوری کو رات کے وقت اکیلا ہونے سے بہت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ یہ کہا اور ساتھ ہی اوور کوٹ سنبھالتا ہُوا باہر نکل گیا۔ نسیمہ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ اور وہ دروازے کی طرف دیکھتی رہی۔ تاآنکہ اسلم آنکھوں سے اوجھل ہو گیا +

یہ واقعہ نسیمہ کی موت سے ایک ہفتہ پیشتر کا ہے۔ اس شب کو اُس نے وہ اشعار لکھے جو میں اپنے پہلے خط میں تم کو لکھ چکی ہوں +

اس کے بعد فقط ایک واقعہ ہوا۔ اور وہی نسیمہ کی موت کا سبب تھا۔ چونکہ وہ واقعہ طویل ہے۔ اس لئے آئندہ خط میں بیان کروں گی +

تمہاری سلیمہ

دہلی - ۱۵ دسمبر

پیاری بہن جہان آرا

مَیں آج کئی روز سے کوشش کر رہی تھی کہ نسیمہ کی حسرتناک داستان کا آخری حصّہ تم کو سناؤں۔ لیکن یہ چیز اس قدر دردانگیز تھی کہ جرأت نہ

کر سکی۔ آج بڑا مصمم ارادہ کر کے بیٹھی ہوں کہ یہ قصہ لکھ کر ختم کر دوں۔ پیاری بہن اس میں بہت سے سبق ہیں جو دنیا والے حاصل کر سکتے ہیں۔ ایک بے گناہ۔ کمزور اور بے بس مظلومہ کی داستان سے اگر لوگ چاہیں تو بہت سے فائدے اُٹھا سکتے ہیں۔ بہت سے نتائج اخذ کر سکتے ہیں ؛

جس روز اسلم نسیمہ کو گھر میں اکیلا چھوڑ گیا تھا۔ اُس سے دو روز بعد رات کو سوتی ہوئی نسیمہ کو آہٹ معلوم ہوئی اُس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اسلم آہستہ آہستہ دروازے سے باہر نکل رہا تھا۔ نسیمہ متحیر رہ گئی۔ اُس نے چاہا کہ اسلم کو آواز دے اور معلوم کرے کہ وہ اس وقت کہاں جا رہا ہے عین اُس وقت گھڑیال نے بارہ بجائے۔ نسیمہ اسی سوچ میں تھی کہ اسلم کو آواز دے یا نہ۔ کہ اسلم دروازہ بند کرتا ہوا نکل گیا۔ نسیمہ اُٹھی اور دروازے کی طرف بھاگی لیکن دروازہ باہر سے بند تھا ؛

نسیمہ نے لمپ جلایا۔ اور ماتھے کو ہاتھ پر سہارا دے کر چارپائی پر بیٹھ گئی۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے وہ متواتر اور پیہم آہیں بھر رہی تھی ؛

چند لمحوں کے بعد وہ اُٹھی اور کمرہ میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگی۔ لیکن اُس کی طبیعت انتہائی پریشانی میں مبتلا تھی۔ آج کی شب پہلا موقعہ تھا کہ وہ اسلم سے بدگمان ہو رہی تھی۔ اگر اُس کو کبھی رات کو باہر جانا

ہوتا تو وہ ہمیشہ اُس سے کہدیا کرتا اور ملازم کو احتیاط سے رہنے کی تاکید کر جاتا۔ آج بغیر اطلاع کئے نصف رات گزرنے پر چوروں کی طرح اُسے سوتا چھوڑ کر نکل جانا کبھی نیک ارادے کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔

نسیمہ کا دماغ پریشان تھا۔ اور اس میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہو رہے تھے۔ کیا اسلم کو نسیمہ کی محبّت۔ وفاشعاری۔ خدمت گذاری مطمئن نہیں کر سکی۔ کیا نسیمہ کی خاموشی کے مقابلے میں انوری کی چکنی چُپڑی باتیں نسیمہ کی متانت کے مقابلے میں انوری کی بے باکی یہ صورت حالات تو پیدا نہیں کر گئی۔ آخر یہ معاملہ کیا ہے ؟

نسیمہ معاملہ کی نوعیت کو سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ ادھر اُدھر پھر رہی تھی کہ اچانک اُس کی نظر اسلم کے بستر پر پڑی اُس نے دیکھا کہ ایک لفافہ تکیے کے نیچے رکھا ہے۔ اگر وہ زیادہ احتیاط سے رکھا گیا ہوتا۔ تو اُسے نظر نہ آتا۔ لیکن وہ اچھی طرح چھپا ہُوا نہ تھا۔ اُس کا ایک کونہ تکیئے سے باہر رہ گیا تھا۔ نسیمہ نے کانپتے ہوئے ہاتھوں اور دھڑکتے ہوئے دل سے اس لفافہ کو اُٹھایا اور نہایت بے چینی کے عالم میں اُس میں سے کاغذ نکالا ؟

اُس وقت نسیمہ کی آنکھوں نے جو کچھ دیکھا۔ اُس نے اُس کے ساتھ وہی کیا جو آگ بارود کے ساتھ کرتی ہے۔ نسیمہ کی آنکھیں ایک

ایسی تحریر پڑھتیں جس کا ہر ہر حرف ایک ایک نشتر تھا۔ جس کے ہر ہر لفظ سے اُس کے قلب و جگر پر چھریاں چلتی تھیں۔ جس کے ہر ہر فقرے پر اُس کے دل سے آہ اٹھتی تھی۔ اُس نے خط کو پڑھا اور پھر اس خیال سے کہ اُسے وہم ہو رہا ہے۔ بارہا پڑھا۔ آخر وہ اِس قدر محو ہو گئی کہ بلند آواز سے پڑھنے لگی۔ خط کا مضمون یہ تھا:۔

"جب سے آپ گئے ہیں۔ مَیں بڑی پریشان ہوں کل آپ کی آنکھوں سے ہمدردی اور رحم کا اظہار ہو رہا تھا آج صبح سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔ اگر آپ حسب وعدہ نہ آئے تو میرے لئے رات کاٹنا محال ہوگا"۔

خط کے نیچے لکھنے والی کا نام نہ تھا۔ اور نسیمہ اس کی ضرورت بھی نہ سمجھتی تھی۔ وہ خط کو پڑھتی ہوئی اپنی زبان پر انوری کا نام لائی۔ عین اِس طرح گویا خط میں "محال ہوگا" کے بعد "انوری" کا لفظ لکھا تھا۔ اُس نے خط کو پھر تکیئے کے نیچے رکھ دیا۔ اور خود چارپائی پر لیٹ گئی اور سوچنے لگی :۔

کیا یہ خط انوری نے اسلم کو بہکانے کے لئے لکھا ہے؟ کیا انوری نے اسلم کے اظہار محبت کے جواب میں لکھا؟ کیوں نسیمہ اس معاملہ کو انوری کی بے باکی کا سبب قرار نہ دے اور اسلم کو بے گناہ نہ سمجھے۔ یقیناً بیوی کو لازم ہے کہ اپنے شوہر سے نیک گمان رکھے۔ خاوند کے حق میں بدگمانی کرنا ایک شریف عورت کے لئے زیبا نہیں ہے۔ انوری بڑی بیباک

ہے۔ اس کی آنکھ میں شرم وحیا نام کو نہیں۔ بلکہ اگر کسی وقت فطری حیا اس پر طاری بھی ہو تو وہ اس کے اثر کو فوراً زائل کر دینا چاہتی ہے۔ اور کوئی وجہ بھی نہیں کہ کیوں اسلم نسیمہ کو چھوڑ کر انوری کی طرف راغب ہو۔ نسیمہ کو اللہ تعالیٰ نے حسنِ صورت انتہائی عطا فرمایا تھا۔ اسکی سیرت اسکی صورت سے بھی بڑھکر دلکش تھی۔ اُس کی سلیقہ شعاری۔ خلوص۔ محبت۔ ہر چیز ایسی تھی کہ اسلم کو اپنا بنائے رکھے۔ ان چیزوں کے باوجود بھی اگر وہ انوری کی طرف راغب ہُوا تو یہ انوری کی کوشش کا نتیجہ تھا۔ نسیمہ کو ابھی اِس بات کا انتظار کرنا چاہیئے کہ اسلم خود انوری کی طرف راغب ہو اُس وقت تک نسیمہ کو اسلم سے عقیدت رکھنی چاہیئے۔

نسیمہ اسی سوچ میں تھی کہ اُسے نیند آگئی۔

میرا خیال تھا کہ آج اِس قصّے کو ختم کر دوں گی۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ خط بہت لمبا ہو گیا ہے۔ اور مَیں کچھ تکان سی محسوس کرنے لگی ہوں۔

تمہاری افسردہ دل بہن

سلیمہ

لاہور۔ ۳ر جنوری

پیاری بہن سلیمہ

تم نے جس دیدہ ریزی سے نسیمہ کا حال سُنایا ہے مَیں اس کے لئے مَیں

تمہاری حد سے زیادہ ممنون ہوں۔ گو ابھی یہ قصہ ختم نہیں ہوا۔ اور اس کا آخری منظر ابھی مجھ پر منکشف ہونے والا ہے۔ لیکن میں اُس انجام کو محسوس کر رہی ہوں میں جانتی ہوں کہ عورت اور مرد کے آپس میں بے تکلف ہونے کا نتیجہ کیا نکل سکتا ہے۔ میں یہ بھی خوب جانتی ہوں کہ ایک خوبصورت عورت کی بے باکی کس طرح مرد کو بیوقوف بنا سکتی ہے۔ اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ جب عورت ہیجان پیدا کرنے پر آمادہ ہو جائے تو مرد اُس کے دام فریب سے بچا نہیں رہ سکتا۔ مگر جس طرح میں ان سب باتوں کو سمجھ سکتی ہوں کیوں انوری کے بھائی اور بھاوج نے ان حقائق کو نہیں سمجھا کیوں اُنہوں نے دو نامحرموں کو یوں ایک دوسرے سے بے تکلف علیحدگی کا موقع دیا۔ کیوں اُن کے لئے تخلیہ میں ملنے کے اسباب مہیا کر دیئے۔ کیوں آصف نے اپنی بہن کے معاملات سے اس قدر مجرمانہ تغافل برتا۔ کہ دوسروں کو اس کی خبر گیری کرنا پڑی۔

افسوس انوری کی بیباکی۔ آصف کی بے غیرتی۔ نسیمہ کی سادگئ طبع۔ مرحومہ کی موت کا باعث بنی۔ کاش اسلم گھر سے توجہ ہٹا کر ایک نامحرم کی طرف توجہ نہ کرتا۔ آصف اپنی بیوی کے ساتھ حد سے زیادہ مانوس ہو کر دوسروں کی طرف سے اتنا بے حس نہ ہو جاتا کہ انوری کو جو اُس کی ہمشیرہ تھی ایک نامحرم کے سپرد کر دیتا۔ کاش سلیمہ اس قدر

نیک طبع نہ ہوتی کہ اسلم اور انوری کی موانست کو نیک نیّتی پر مبنی سمجھتی۔
پیاری سلیمہ! کیا اس بے گناہ کے خون کے ذمہ دار اسلم۔ انوری۔ اور آصف نہیں۔ اور کیا یہ دنیا ظلم اور بے انصافی کا گہوارہ نہیں۔ اس لئے کہ اگر آج قانون کسی کو مجرم قرار دیتا تو وہ اس مظلومہ کی ذات کو۔ ظالموں کو پوچھنے والا کوئی نہیں۔

اُمید ہے کہ تم بفضلِ ایزدی خیر و عافیت سے ہو گی۔

تمہاری بہن

جہان آرا

دہلی۔ ۱۵ر جنوری

پیاری بہن

تمہارا خط ملا۔ بلاشبہ نسیمہ کی حسرتناک موت کا سبب تمامتر اسلم کی بے وفائی۔ انوری کی بے حیائی اور آصف کی بے غیرتی تھی۔ اور ان سب سے بڑھ کر نسیمہ کی اپنی نیک نیّتی اگر وہ اوّل روز ہی سے انوری اور اسلم کی بے تکلفی کو روک دیتی۔ تو سانپ ڈسنے سے پہلے کچل دیا جاتا۔ لیکن وہ ان کی آپس کی موانست کو ایک شریفانہ جذبہ کا اظہار سمجھتی رہی وہ یہ نہ جانتی تھی کہ یہ موانست وہ رنگ انوری اور اسلم کے درمیان

پیدا کردے گی جو فقط اُس کے اور اسلم کے درمیان پیدا ہونا چاہیئے تھا۔ ہر چیز کی انتہا بُری ہوتی ہے اور اِس حادثۂ فاجعہ سے ظاہر ہے کہ شرافت۔ نیک نیّتی اور خلوص کی بھی ایک ایسی انتہا ہے جو انسان کے لئے بجائے بھلائی کے بُرائی پیدا کر دیتی ہے ٭

جس شب کو نسیمہ نے انوری کے ہاتھ کا لکھا ہُوا خط پڑھا اُس سے دوسرے روز اسلم نے اُس کی طرف اِس قدر توجہ کی کہ اُس کے دل سے تمام بدگمانیاں رفع ہوگئیں۔ عورت کس قدر کمزور طبیعت رکھتی ہے۔ مرد کی ذراسی شفقت اُس کو اپنی لونڈی بنا لیتی ہے۔ دو تین روز یہی حال رہا۔ اسلم ہر وقت نسیمہ کے خوش کرنے کی تدبیر کرتا رہتا۔ اس تین روز کے عرصہ میں کم وبیش دو درجن اشیاء آرایش نسیمہ کے لئے بازار سے آئیں۔ ہر روز شام کے بعد نسیمہ کو سیر کرانے کے لئے ساتھ باہر لے جایا گیا اور معصوم نسیمہ کا دل بہل گیا ٭

اس کے دو روز بعد نسیمہ نے اسلم سے کہا کہ آج میری تین چار سہیلیاں آنے والی ہیں۔ کل اُنھوں نے پیغام بھیجے ہیں۔ اور میں نے کہلا بھیجا کہ وہ بیشک آجائیں۔ اسلم نے کہا اِس صُورت میں (گو اتوار کا روز ہے) میں اپنا وقت باہر صرف کروں گا تا کہ تمہاری سہیلیوں کو تکلیف نہ ہو۔ چنانچہ صبح کا کھانا کھا کر اسلم چلا گیا۔ اور نسیمہ نہایت خوش و خرم

اپنی سہیلیوں کا انتظار کرنے لگی ۔

آج اسلم کے باہر چلے جانے سے وہ بہت مسرور تھی آج تک تعطیل کا دن اُس نے ہمیشہ گھر پر گزارا تھا۔ لیکن آج جبکہ نسیمہ کی سہیلیاں آنے والی تھیں۔ اُس نے ان کو بے تکلفی سے بیٹھنے کا موقع دینے کے لئے باہر وقت گزارنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ اس کے ایثار سے نسیمہ کا دل خوش تھا۔ وہ آج یہ سمجھ رہی تھی ۔ کہ جس قدر خیالات وہ اسلم کے خلاف اپنے دماغ میں آج تک پیدا کرتی رہی ہے ۔ وہ سب بدگمانی پر مبنی تھے اسلم کو جو خط انوری نے لکھا تھا۔ اُس میں خود اوّل الذکر کا کچھ دخل نہ تھا! انوری اس کی واحد ذمہ دار تھی ۔

لیکن وہ یہ نہ سمجھ سکی کہ اگر خط محض انوری کے جذبات کا آئینہ تھا۔ تو اُس روز جبکہ وہ خط اسلم کو ملا تھا۔ وہ کیوں رات کو اُسے اکیلا چھوڑ کر انوری کی طرف گیا تھا ۔

نسیمہ کی سہیلیاں آئیں اور دن بھر اُس کے ہاں رہیں بہت چہل پہل تھی۔ انوری کو بھی بُلایا گیا تھا۔ لیکن وہ نہ آئی۔ چار بجے کے قریب لڑکے کو پھر بھیجا گیا کہ انوری کو بُلا لائے ۔ لیکن جواب آیا کہ اُسے رات سے بہت تکلیف ہے۔ اِس لئے وہ نہیں آسکتی۔ نسیمہ کے دل میں باوجود گزشتہ واقعات کے انوری کی محبّت موجود تھی۔ وہ نہ رہ سکی۔ اِس لئے

اُس نے اپنی سہیلیوں سے نصف گھنٹہ کی اجازت لے کر اُس کی خیریت خود جا کر دریافت کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ وہ وہاں گئی۔ انوری کا کمرہ علیحدہ تھا اور اس کو راستہ برآمدہ میں سے ہو کر جاتا تھا۔ نسیمہ برآمدے میں سے گزرتی ہوئی دروازے پر پہنچی وہ اِس خیال میں آئی تھی کہ انوری بیچاری کمرے میں اکیلی چارپائی پر مُنہ پیٹے لیٹی ہوگی۔ لیکن دروازے کے پاس پہنچ کر اُسے اندر سے دو انسانوں کی باتوں کی آواز آئی۔ اُس نے اندر داخل ہونے سے پہلے معلوم کرنا چاہا کہ اَور کون اندر موجود ہے۔ اور اِس غرض سے اُس نے غور سے آوازوں کو سُننا چاہا۔ ایک لمحہ کے بعد نسیمہ کا رنگ متغیّر ہو گیا۔ انوری کے علاوہ دُوسری آواز ایک مرد کی تھی۔ اُس نے اَور غور کیا۔ اور وہ آواز اُس کو مانوس معلوم ہوئی۔ مزید ایک دو لمحہ غور کرنے کے بعد اُس کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو گرے۔ وہ لڑکھڑائی اور گرنے لگی۔ لیکن اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور پُورے زور کے ساتھ دروازے کو کھولنے کی کوشش کی۔ دروازہ کھُلا اور سامنے کمرے کے درمیان ایک تپائی کے گرد انوری اور اسلم چاء پیتے اور انتہائی فرحت و انبساط میں محو و سرشار نظر آئے ✢

نسیمہ کے پاؤں ساکت ہو گئے۔ اُس کی آنکھیں تپائی پر گڑ گئیں۔

اُس کا مُنہ فرطِ حیرت سے کُھلا کا کُھلا رہ گیا۔ اُس کا دماغ انتہائے تعجّب سے اپنا توازن کھو گیا۔ وہ ٹکٹکی لگائے کبھی انوری کو اور کبھی اسلم کو دیکھنے لگی۔ زبان سے کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن نہ کہہ سکی۔ آگے بڑھ کر انوری سے اپنی متاعِ حیات چھیننا چاہتی تھی۔ لیکن نہ بڑھ سکی۔ اسلم سے اُس کی اس جفا کا سبب پُوچھنا چاہتی تھی۔ جو وفا کے بھیس میں کی گئی تھی۔ لیکن وہ کچھ بھی نہ کر سکی۔ وہ دیوار کا سہارا لئے کھڑی رہی۔ اور اُن دو فتنہ پردازوں کو دیکھتی رہی جو اُس کے سرمایۂ حیات کو لوٹ چکے تھے ؎

کمرے میں ایک طویل خاموشی چھا رہی تھی۔ ایک طرف نسیمہ بحیثیت بے حرکت نیم بیہوشی کی حالت میں کھڑی تھی۔ اور دوسری طرف انوری اور اسلم ساکت وصامت بیٹھے تھے۔ دونوں کے ہاتھ جہاں تھے وہیں رہ گئے۔ کچھ عرصہ کے لئے دونوں کا رنگ اُڑ گیا۔ لیکن اُس گناہگار کی طرح جو گُناہ کا راز افشا ہو جانے پر پشیمان اور معذرت خواہ ہونے کی بجائے اور بھی گُناہ پر مصر ہوتا ہے۔ دونوں نے نسیمہ پر نفرت کی نگاہ ڈالی۔ ایسا معلوم ہُوا کہ اسلم کی صُورت پر استہزاء ظاہر ہُوا۔ اُس نے نسیمہ کی طرف دیکھا اور پھر کمالِ استغنا سے مُنہ پھیر لیا ؎

اس وقت نسیمہ کو خیال آیا کہ اُس کی سہیلیاں اُس کا انتظار کر رہی ہونگی اور زیادہ دیر یہاں ٹھہرنے سے راز افشا ہو جانے کا اندیشہ

ہوگا۔ وہ پلٹی اور لڑکھڑاتی ہوئی باہر نکلی +

وہ جس کے دامن پر فرشتے نمازیں پڑھتے۔ وہ جس کی ایک محبّت بھری نظر ایک دل رکھنے والے انسان کی نظر کبھی دوسری طرف نہ اُٹھنے دیتی۔ وہ جو اپنے حسن صورت اور خوبیٔ سیرت کی بنا پر پرستش کے لائق تھی۔ وہ جو اپنی ادا اور رفتار سے ایک عالم میں قیامت برپا کر سکتی تھی۔ اس وقت لڑکھڑاتی جا رہی تھی۔ اور کوئی نہ تھا جو اُسے سہارا دے سکتا کوئی نہ تھا جس کے پاس ہونے سے وہ اضطراب و بےچینی رفع کر سکتی۔ وہ لڑکھڑاتی جا رہی تھی۔ اور وہاں اس کی زندگی کو تباہ کر دینے والے دو درندے بیٹھے ہوئے آپس میں مالِ غنیمت کو بانٹ رہے تھے۔ ایک نے نسیمہ کا اطمینان و سکون چھین لیا تھا اور دوسرے نے اُس کی زندگی کی متاع +

نسیمہ گھر پہنچی لیکن حیرت انگیز متانت کے ساتھ اُس کی سہیلیاں گھروں کو جانے کے لئے تیار تھیں۔ نسیمہ نے معذرت چاہی۔ کہ اُسے واپس آنے میں دیر لگی۔ لیکن چونکہ اُن کو معلوم تھا کہ وہ مریضہ کی مزاج پُرسی کے لئے گئی تھی۔ اِس لئے اُنہوں نے اُس کے دیر سے واپس آنے کو قابلِ درگذر تسلیم کر لیا +

تھوڑی دیر کے بعد تمام سہیلیاں رخصت ہو گئیں۔ اور نسیمہ فرطِ غم و الم سے

چارپائی پر گر پڑی۔

وہ گری اور گرتے ہی رونا شروع کر دیا۔ اور اتنا روئی کہ اُس کے مُنہ کے نیچے چادر کا ایک حصّہ آنسوؤں سے بھیگ گیا۔ پھر وہ گھبرا کر اُٹھی اور کمرے میں اِدھر اُدھر بغیر کسی مقصد کے پھرنے لگی۔ اُس نے ایکبار آئینہ دیکھا۔ اپنے آپ پر سر سے پاؤں تک نگاہ ڈالی اور غور کیا۔ اِس میں کیا تغیّر پیدا ہو گیا۔ جس نے اسلم کو اُس سے پھیر کر دُوسری طرف متوجہ کر دیا۔

آئینہ نے اُسے یقین دلایا کہ وہ اپنی رعنائی اور دلربائی میں آج بھی وہی شان رکھتی تھی جو اسلم سے وابستہ ہونے کے وقت اُس میں موجود تھی۔ اُس کی آنکھوں میں اسلم کے لئے وہی اشتیاق موجود تھا جو اسلم کو اُس کا گرویدہ بنائے رکھتا تھا۔ لیکن پھر اسلم نے کیوں اس کو اپنی راہ سے الگ کر دیا۔ کس بنا پر اسلم کا دل اس کے لئے پتھّر کا ایک ٹکڑا بن گیا۔ کیا محبّت کرنے والا انسان محبُوب کے لئے ایک بیحس انسان بھی بن سکتا ہے۔ کیا اس دُنیا میں رہنے کے لئے اُس عورت کے لئے کوئی جگہ ہے۔ جس کی اُمیدوں کا کوئی سہارا نہ رہے۔ جس کا شوہر وہ شوہر جس کی خدمت گذاری کو اس نے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہو۔ اس سے دُور جا رہا ہو۔ یقیناً ایسی بدنصیب عورت کی زندگی اُس کے لئے

ایک وبال ہے۔

پیاری جہان آرا! اس کے بعد جو کچھ ہوا۔ یعنی جو نتیجہ نکلا وہ تم جانتی ہو۔ اِس داستان میں بہت سی باتیں ہیں جو دوسروں کے لئے تازیانہ عبرت بن سکتی ہیں۔ غور کرو کہ نسیمہ کے کیریکٹر میں کیا باتیں تھیں جن کی وجہ سے وہ معاملات کی نوعیت کو نہ سمجھ سکی اور یوں اپنی تباہی کا باعث بنی اسلم کی کمزوریوں پر غور کرو آصف کے جرائم پر نگاہ دوڑاؤ۔ انوری کی تربیت کے نقائص پر غور کرو۔ دیکھو کہ کس طرح دو خاندانوں کی انتہائی بدعنوانیاں اور نیک نیتیں ایک بے گناہ خوبصورت۔ سلیقہ شعار خاتون کو ہمیشہ کے لئے دُنیا سے اُٹھا لے گئیں۔ کیا اِس بے گناہ کا خون رنگ نہ لائیگا۔ اور کیا انوری۔ آصف۔ اسلم سب دُنیا میں آفات و مصائب اور سزا و انتقام سے محفوظ رہ کر دُنیا والوں کو ربّ العزّت کی شانِ عدالت کے بارہ میں مذبذب بنا دیں گے۔

(تمہاری سلیمہ)

یادِ ایّام

(افسانہ)

(۱)

کوہ الپس کی بلندیوں پر، جہاں دُنیا کی کوئی طاقت اسے سزا نہیں دے سکتی تھی اگر اسے اطمینان و سکون حاصل نہ ہوتا تو کُرّہ ارضی کے اور کس گوشہ میں یہ گرانمایہ جنس حاصل ہو سکتی تھی، وہ مطمئن تھا، اِس لئے کہ وہ اپنے مُلک کے قوانین کی گرفت سے باہر تھا ؛

وہ ایک آرام کُرسی پر بیٹھا ہُوا تھا، اس کے سامنے ایک کتاب "اسبابِ تنزّلِ اخلاق" پڑی تھی، وہ نہایت بے فکری کے عالم میں کبھی کبھی اِس کتاب کو اُٹھاتا ایک آدھ ورق پڑھتا، اور پھر اسے میز پر جو اس کے سامنے پڑی تھی رکھ کر سگار کے کش لگاتا، سگار کا دُھواں بے ترتیبی کے ساتھ ہوا میں منتشر نہ ہوتا تھا، بلکہ مسلسل حلقوں کی صورت

میں دُور تک ہوا میں بلند ہوتا چلا جاتا اور اس کی نظر آخر تک حوئیں کے ساتھ ساتھ جاتی +

وہ کرسی کو ہلا ہلا کر اپنے جسم کو حرکت میں لا رہا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ آج وہ کسی گم شدہ چیز کو پا چکا ہے، کسی منزلِ مقصود تک رسائی حاصل کر چکا ہے، کسی گوہرِ بے بہا کو اپنے دامن میں سمیٹ لینے میں کامیاب ہو چکا ہے +

اچانک مُلازم کمرے میں داخل ہُوا، اور ایک چھوٹی سی طشتری میں ایک مہمان کا کارڈ میز پر رکھ کر مودبانہ کھڑا ہو گیا، بے فکری کے عالم میں سگرٹ کے کش لگانے والے نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ کارڈ کی طرف بڑھایا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی مہمان کی تشریف آوری کا چنداں خواہشمند نہ تھا، وہ دُنیا والوں سے مستغنی رہنا چاہتا تھا، لیکن جس قدر بے توجہی سے اس نے کارڈ کو طشتری میں سے اُٹھایا اسی قدر تعجب و حیرت سے اُس نے اُسے پڑھا معاً اس کے منہ سے نکلا "سلیم"!

مُلازم چونکا، مالک نے اس کے تحیّر کو بھانپ لیا اور کہا +

"تم جانتے ہو یہ کون ہے ...... نہیں تم کیا جان سکتے ہو، سلیم۔ سلیم، آج پندرہ سال کے بعد ..... آہا۔ میرا دل اُکتا گیا تھا۔ ضرورت تھی۔ کہ کوئی بچپن کا رفیق پاس ہو، پھر اس نے ملازم کو حکم دیا کہ وہ

باہر جا کر مہمان کو فوراً اندر لائے ۔

(۲)

مُلازم جلد جلد کمرے سے باہر نکل رہا تھا، لیکن دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے مُڑ کر مالک کی طرف تعجّب سے دیکھا آج تک اس کا مالک کبھی کسی سے ملنے پر گرمجوشی کا ثبوت نہ دے چکا تھا، آج کیا بات تھی، کہ وہ بے صبری و بے تابی سے کسی کا منتظر ہو گیا تھا۔ ملازم کی نظر مالک پر پڑی، اور مالک کے مُنہ پر مُسکراہٹ طاری ہو گئی، آنکھوں میں چمک نظر آنے لگی، مُلازم زیادہ متعجّب ہُوا۔ لیکن مالک کے اشارہ کرنے پر لپک کر کمرے سے باہر ہو گیا ۔

دو منٹ کے بعد کمرے میں ملازم داخل ہُوا، اور اس کے پیچھے پیچھے ایک دوسرا شخص تھا، ملازم اپنے مالک کی طرف اشارہ کر کے ایک طرف کھڑا ہو گیا، نو وارد نے دروازے کے اندر داخل ہو کر اِس طرف دیکھا جدھر ملازم نے اشارہ کیا تھا، ایک لمحہ کے لئے اس نے دیکھا، اور پھر وہ عین اس جگہ تھا، جہاں ایک کمزور ضعیف انسان آرام کرسی سے اُٹھنے کی کوشش کر رہا تھا، نو وارد نے دیکھا کہ وہ کرسی سے اُٹھ نہیں سکتا، اور اگر مزید کوشش کرتا رہا تو یا کرسی سے گر پڑے گا، یا ضعف کی وجہ سے بے حال ہو جائیگا، نو وارد کے

چہرہ پر خوشی۔ حیرت تعجب اور تردد کے آثار بیک وقت پیدا ہو گئے،
وہ کرسی کی طرف بڑھا، اس کی زبان سے نکلا: "نعیم"۔
نعیم نے "سلیم" کہہ کر ایک بار کرسی سے اُٹھنے کی پھر کوشش کی،
لیکن نہ اُٹھ سکا، قریب تھا کہ وہ کرسی کی پشت پر گرے، کہ سلیم نے
بڑھ کر اسے اُٹھا لیا۔

دونوں دوست جو آج پندرہ برس کے بعد ایک دوسرے سے
ملاقی ہوئے تھے، ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور یہ سماں دیر تک
طاری رہا، نعیم کی آنکھوں سے چند قطرے آنسوؤں کے بھی گرے۔
جنہیں دیکھ سلیم حیران ہوا، اور کہنے لگا۔
"نعیم"۔ یہ کیا۔
"نعیم"۔ کچھ نہیں، انتہائی خوشی آنکھوں میں آنسو اور دل میں درد پیدا
کر دیا کرتی ہے۔

دونوں دوست دیر تک ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے اور
ایک دوسرے کے بدلے ہوئے چہروں پر غور کرتے رہے، تا آنکہ
نعیم نے کہا۔ سلیم! بیٹھو۔ دیکھو۔ یہاں کی فضا کیسی فرحت افزا ہے،
ہاں تو تم کب یہاں آئے"۔
سلیم نے جواب دیا۔ "نعیم۔ میں انگلستان سے واپس جاتا ہوا

برّ اعظم کی سیر کر رہا تھا، آج یہاں بھی پہنچا، اِس ہوٹل میں داخل ہوا، تمہارے کمرے کے پاس سے گزرا، تو تمہارا نام دروازہ پر پڑھا، ملازم سے دریافت کیا کہ یہاں کوئی ہندوستانی صاحب فروکش ہیں۔ اس نے جب جواب "ہاں" میں دیا تو یقین ہو گیا کہ تمہیں ہو نگے"۔

یہاں تک پہنچا تو سلیم کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ یہ سُرخی خوشی کی سُرخی تھی، کسی وحشیانہ جذبہ کی پیدا کی ہوئی نہ تھی۔ وہ پھر یُوں گویا ہُوا، "نعیم! چند لمحوں کے لئے مَیں ہکّا بکّا رہ گیا، اور سوچنے لگا کہ کیا واقعی آج تم سے مُلاقات ہو گئی"۔

"نعیم۔ یہی حال میرا تھا۔ تمہارا کارڈ دیکھ کر مَیں ششدر رہ گیا۔ مجھے یقین نہ آتا تھا۔ کہ مَیں تم سے مل کر اپنی رُوح کو فرحت پہنچا سکوں گا"۔

(۳)

دونوں دوست چاء پی رہے تھے، نعیم کے سامنے ایک سُلگتا ہُوا سگار بھی پڑا تھا۔ جب خاموشی ہوتی وہ چائے پیتا، لیکن جب وقت باتیں ہونے لگتیں، سگار کے کش لگاتا۔ سلیم باتیں کئے جا رہا تھا۔ نعیم سُنتا جاتا تھا، گفتگو کے دوران میں نعیم کا ہاتھ بار بار سگار کی طرف جا رہا تھا، کچھ دیر کے بعد سلیم بولا۔

"نعیم۔ یہ سگار کا استعمال تم نے کب اور کس کے ایماء پر شروع کیا

تھا، نعیم مُسکرایا۔ اور سگار کا ایک لمبا کش لگا کر آنکھیں سگار کی طرف کئے ہوئے کہنے لگا ؛

"سلیم۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں، جو کسی کے لحسن داؤدی سے مسحور ہو کر اپنے آپ کو کسی عادت میں پھنسا لیتے ہیں، مجھے کسی کی حسین صورت مرعوب نہیں کر سکتی" ؛

سلیم حیران تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، اور کیا کہنا چاہتا ہے، نعیم پھر یُوں گویا ہُوا ؛

"سلیم۔ تم یہ سمجھ رہے ہوگے کہ دامنِ کوہ کی کسی پری نے مجھے شیشہ میں اُتار لیا ہوگا، اور اس کا ساتھ دینے کے لئے میں نے سگار پینا شروع کر دیا، لیکن یہ غلط ہے، میرے دل میں صنفِ نازک کی نزاکت اور رعنائی کوئی ناخوش آیند اثر پیدا نہیں کر سکتی میں نے دُنیا کی ایک بہت بڑی آفت کا مقابلہ کیا اور اس مقابلہ میں فتح پائی، اِس لئے میں جانتا ہوں کہ اِس نازک صنف کے فریب سے کس طرح بچنا چاہیئے۔ بہر حال سگار پینے سے انسان کچھ مدت کے لئے اپنے ماحول سے بے خبر ہو جاتا ہے، ماضی کا احساس، حال کی خبر اور مستقبل کے تصوّر سے بے نیازی پیدا ہو جاتی ہے ؛

سلیم تعجب سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا، دیر تک دیکھنے کے بعد

اس نے کہا "نعیم! میں تمہارے پاس صرف تین گھنٹے ٹھہر سکتا ہوں مجھے آج ہی یہاں سے روانہ ہو کر جہاز تک پہنچنا ہے، ورنہ ہندوستان میں میرے منتظر لوگوں کو تکلیف ہو گی، تم اختصار کے ساتھ مجھے اپنی زندگی کے آخری پندرہ سال کے حالات سُنا دو، تاکہ میں یہ معلوم کر سکوں، کہ تم اب درحقیقت کس حال میں ہو، اور ہاں نعیم شمیم اب کہاں ہے ہندوستان میں تم اسے ہمیشہ اور ہر جگہ ساتھ رکھتے تھے، یہاں اسے ساتھ نہیں لائے"

"شمیم" کا نام سُن کر نعیم چونکا، پھر اپنے آپ کو سنبھال کر بولا "میں تمہیں سب کچھ سُناتا ہوں، اس میں شمیم کا حال بھی تمہیں معلوم ہو جائیگا۔ چلو باہر باغ میں ٹہلیں آج کئی روز کے بعد آفتاب نظر آیا ہے اور اب میں اپنے اندر طاقت بھی پاتا ہوں"

(۴)

باغ میں ایک روش پر دونوں دوست ٹہل رہے تھے، اور سلیم کہہ رہا تھا "نعیم۔ میں نے ہمیشہ شمیم کی اور تمہاری محبّت کو رشک سے دیکھا ہے، خدا جانے مجھے بھی ایسی محبّت کرنے والی بیوی ملے گی یا نہیں"

نعیم ہنسا۔ بلکہ اس نے ایک قہقہہ لگایا۔ اور پھر بولا "سلیم دُنیا کی

ظاہری دلفریبیوں پر بھول نہ جاؤ، تم یہ جانتے ہو کہ مرد عورت کو بیوقوف سمجھتا ہے، لیکن یہ تم نہیں جانتے کہ عورت مرد کو بیوقوف بناتی ہے"۔

سلیم تعجّب سے نعیم کی طرف دیکھنے لگا، نعیم پھر مسکرایا اور کہنے لگا،

"ہاں میری زندگی کے گذشتہ پندرہ سال کی داستان کا اجمال یہی ہے کہ مرد عورت کو بیوقوف سمجھتا ہے، اور عورت مرد کو بیوقوف بناتی ہے، اگر تم چاہو، تو اس اجمال کی تفصیل بھی سنا سکتا ہوں"۔

سلیم ۔ نعیم ۔ ممکن ہے۔ یہ صحیح ہو، لیکن شمیم تو بہت سادہ لوح تھی، اس کی صورت سے انتہائی سادگی ٹپکتی تھی"۔

نعیم ۔ ہاں ایسا ہی تھا، لیکن سلیم ۔ تم عمر پا لینے پر بھی عورت کی فطرت سے واقف نہیں ہو، اور عورت ہی پر کیا منحصر ہے، انسان بالعموم اپنے باطن کو ظاہر نہیں کرتا، انسان کے ظاہر اور باطن ایک دوسرے سے اتنے ہی بعید ہیں، جتنے مشرق مغرب ایک دوسرے سے ۔

سلیم ۔ بہرحال شمیم کے ساتھ ان چیزوں کا کیا تعلق ہے؟

نعیم ۔ میری زندگی شمیم کے ساتھ وابستہ تھی، اور اس کی زندگی میں عورت کے تمام فطری اوصاف موجود تھے ۔

سلیم ۔ پھر ۔

نعیم ۔ وہی ہوا ۔ جو عورت کی فطرت برسرِ کار آکر کر سکتی ہے ۔

سلیم۔ نعیم تم ایک ایسا معمہ میرے سامنے پیش کر رہے ہو جس کو حل کرنے سے میرا دماغ قاصر ہے ۔

نعیم۔ ہاں واقعی ایسا ہے، میں آج تمہارے خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دوں گا، افسوس تمہارا وقت تنگ ہے، بہر حال میں اختصار سے کام لونگا ۔

اب تک وہ دونوں ٹہل رہے تھے، لیکن اب ایک بنچ پر بیٹھ گئے، نعیم نے سگار سلگایا، اور پینا شروع کیا، اور ساتھ ہی سلسلہ گفتگو کو پھر یوں چھیڑا ۔

"سلیم میری داستان سُننے سے پیشتر ضروری ہے کہ تم ایک خیال دل سے نکال دو، ورنہ تم آخر تک میرے موضوع کو نہ سمجھ سکو گے ۔

سلیم۔ وہ کیا ۔

نعیم شرم و حیا کا مادہ عورت کے لئے کوئی فطری چیز نہیں بلکہ یہ تمدّن کی پیدا کی ہوئی چیز ہے ۔

(۵)

سلیم حیرت سے نعیم کی طرف دیکھ رہا تھا، اس کا دماغ ان مختلف خواتین کا تصوّر پیدا کر رہا تھا، جن کو اس نے وقتاً فوقتاً شرم و حیا کا بہت ہی دلاویز مظاہرہ کرتے دیکھا تھا، کیا اکثر یہ دیکھنے میں نہ آیا تھا، کہ اس کی

نظر ناگہاں ایک پردہ نشین عورت کی صورت پر پڑی، اور جونہی خود اس عورت کو اس چیز کا علم ہُوا۔ اس نے فوراً بالارادہ یا بلاارادہ اس سے اپنے آپ کو چھپا لیا، اور کیا یہ اور اس قسم کے واقعات اس حقیقت کو واضح نہیں کرتے، کہ ایسی خواتین طبعاً شرم و حیا کا مجسمہ ہیں" اس کے خیالات کی رَو یہاں تک پہنچی تھی کہ نعیم نے اس کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا، اور سلسلہ گفتگو کو یوں شروع کیا:

"سلیم! وقت تنگ ہے، ورنہ میں تمہیں بالوضاحت سمجھاتا کہ عورت اسی قدر شرم و حیا دکھاتی ہے۔ جس قدر اس سے مطالبہ کیا جائے، یا جس قدر شرم و حیا کا رواج ایک خاص سوسائٹی میں ہو چکا ہو، اگر سوسائٹی تقاضا کرتی ہے کہ وہ برقعہ پوش بنی رہے، تو وہ ایسا ہی کرے گی، اور اگر سوسائٹی چاہتی ہے، کہ وہ نیم برہنگی کی حالت میں منظرِ عام پر آئے، تو وہ اسی حال میں جلوہ گر ہوگی، کبھی تم نے دیکھا کہ ایک طبیب عورت کو اگر احتیاط سے دیکھنے کی کوشش کرتا ہے، تو وہ بھی سمٹ سمٹا کر بیٹھتی ہے، لیکن اگر دوسرا طبیب اسے بے تکلفی سے ملاحظہ کرنا چاہتا ہے، تو وہ بھی اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیتی ہے، خیر۔ مقصد میرا یہ تھا کہ تم۔ سلیم۔ اس خیال کو دل سے نکال دو، کہ عورت میں شرم و حیا ایک طبعی اور فطری چیز ہے، اس لئے میری داستان میں جہاں کہیں تم

شرم و حیا کو معدوم پاؤ تو اس پر متعجّب ہونے کی ضرورت نہیں ؞
سلیم نے اس موقعہ پر گھڑی پر نگاہ دوڑائی۔ اس کی روانگی میں دو گھنٹہ کا وقفہ تھا، اس لئے وہ بولا۔ نعیم! اب جلد تم تمام قصہ سُناؤ مجھے وقت کی تنگی کا بھی خیال ہے، اور شمیم کی صُورت یاد آ کر تمہاری باتوں کے متعلّق میرے دل میں عجیب و غریب توہمات پیدا کر رہی ہے ؞
نعیم۔ ہاں۔ ابھی تم اور متعجّب ہو گے اور میری اس بات کے قائل ہو جاؤ گے کہ جہاں مرد عورت کو بے وقوف سمجھتا ہے، عورت خود مرد کو بیوقوف بناتی ہے، ہاں۔ تو سلیم! یہ تو تم کیا میرے سب دوست احباب جانتے ہیں کہ شمیم کو اللہ تعالےٰ نے حسنِ صُورت انتہائی طور پر عطا فرمایا تھا، اور مَیں اس بات کا معتقد تھا، کہ حسنِ صُورت کے پردہ میں حسنِ سیرت پنہاں ہوتا ہے، لیکن یہ بھی۔ سلیم! ایک دھوکہ تھا۔ دھوکہ۔ اِس خیال پر مت جانا کہ جہاں صُورت حسین ہے وہاں دل بھی اوصافِ حسنہ کا حامل ہو گا۔ یہ کوئی ضروری چیز نہیں۔ ایک بلا کا حسن رکھنے والی ساحرہ پرلے درجہ کی بدباطن عورت ہو سکتی ہے، خیر۔ تو وہ حسین تھی، اور مَیں اس کا شیدا تھا تم جانتے ہو کہ مَیں ہر وقت اس کو سامنے دیکھنے کا شائق تھا، اور سفر و حضر میں۔ گھر میں۔ گھر سے باہر سیر میں، ہر ممکن مقام پر

اسے ساتھ رکھتا، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی میرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی ۔

سلیم۔ بے شک یہ حقائق تو ہمارے تمام دوستوں اور غالباً تمہارے سب عزیزوں پر واضح تھے۔ نعیم! تم بُرا نہ مانو، تو مَیں کہوں گا کہ تمہاری حالت سے ہم بعض دوستوں کو تکلیف بھی پہنچتی تھی، لیکن ہم خاموش رہتے۔ اِس لئے کہ مرد جس وقت عورت کے سحر سے مسحور ہو رہا ہو اسے سوائے ایک عورت کے اور کچھ نظر نہیں آتا ۔

نعیم۔ ہاں۔ بلکہ وہ اَور کسی کو دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔ بالکل ایسا ہی حال میرا تھا۔ مَیں اس کے سحر حسن سے مسحور ہو رہا تھا، اور کسی ایسی چیز کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔ جو میرے اور اس کے درمیان حارج ہو۔ مَیں اس کا شیدا بن رہا تھا اور رفتہ رفتہ وہ یہ معلوم کر گئی کہ مَیں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور سلیم راہِ محبت میں یہ ایک بہت ہی بڑی مصیبت ہے کہ محبوب کو معلوم ہو جائے کہ دوسرا شخص اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ بس اسے اس چیز کا علم ہُوا، اور اس کا طرز عمل تبدیل ہو گیا ۔

یہاں پہنچ کر نعیم کچھ رُکا۔ اس کا سگار ختم ہو چکا تھا۔ اس نے ایک نیا سگار سلگایا، دو تین لمبے کش لگائے اور پھر سلسلہ کلام کو یُوں چھیڑا ۔

نعیم - ہاں تو وہ جب اِس حال سے واقف ہوگئی کہ مَیں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، تو اس نے میرے سامنے میرے والدین اور بہن بھائیوں سے بے باکی کا ثبوت دینا شروع کیا۔ اکثر ایسا ہُوا کہ اس نے والدہ کے ساتھ گُستاخانہ سلوک کیا۔ میری چھوٹی بہنوں سے اس نے بارہا بدتمیزی برتی۔ چھوٹا بھائی تو گردن زدنی تھا، لیکن میرے دل پر کبھی ملال نہ آیا۔ میں ہمیشہ اس کے طرزِ عمل کو باطمینان دیکھا کیا۔ یہاں تک کہ اب میرے دوستوں سے بھی غیر مناسب سلوک شروع ہُوا۔

سلیم - وہ کیسے؟

نعیم - وہ بھی سُن لو۔

(۶)

نعیم کا چہرہ اب سُرخ ہو کر اس کے طیش کا پتہ دے رہا تھا۔ اسی حالت میں اس نے بولنا شروع کیا۔ لیکن اب اس کی گفتگو کی رفتار زیادہ تیز تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس حصّہ داستان کو جلد بیان کر جانا چاہتا تھا۔ اس نے کہنا شروع کیا۔

نعیم - میرے احساس کا اندازہ کرنا۔ مسعود کو جانتے ہو؟

سلیم - ہاں ہاں کیوں نہیں۔ مَیں تم اور وہ متواتر دس سال تک اکٹھے

پڑھتے رہے ہیں۔ مَیں اسے کیوں کر بھول سکتا ہوں ٭

نعیم۔ میں نے خیال کیا تھا کہ اکثر ہندوستانی نوجوانوں کی طرح یورپ کی آوارہ منش نازنینوں سے تعارف ہو جانے کے بعد اب تم بھی اپنے ہم وطنوں کو بھولتے جاؤ گے الحمد اللہ کہ میرا یہ خیال غلط نکلا، ہاں تو ایک روز مسعود مجھ سے ملنے کے لئے آیا، مَیں شمیم کے پاس بیٹھا تھا، مجھے اکثر اس کے سامنے بیٹھنے میں لذّت حاصل ہوتی تھی، اور وہ بھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک مغرور دیوی بن کر اپنے سامنے مجھے ایک پرستار کی صُورت میں دیکھتے رہنا چاہتی تھی، اس نے اس روز مجھے اطلّاع کئے بغیر باہر کہلوا بھیجا کہ مَیں گھر پر نہیں ہوں ٭

نعیم اب آواز بلند کئے جا رہا تھا ٭

اس روز مسعود کو بغیر مجھ سے ملنے کے واپس جانا پڑا۔ اور مجھے جب اس واقعہ کا علم ہُوا۔ تو مَیں بہت حیران ہُوا۔ لیکن جب میں نے اس تمام قصّہ کی تحقیقات خود شمیم سے کی، تو اس نے مجھے یقین دلا دیا کہ وہ میری صُورت کی ایسی مشتاق تھی کہ اس وقت میری علیحدگی کو برداشت نہ کر سکتی تھی" ٭

یہاں پہنچ کر نعیم نے سلیم کو پھر خاص طور پر اپنی طرف متوجہ کیا۔

اور یُوں گویا ہُوا ؛
"سلیم! تم کچھ سمجھے؟ میں نے وہ جو کہا تھا کہ مرد عورت کو بیوقوف سمجھتا ہے، اور عورت اسے بیوقوف بناتی ہے تو یہ اس اجمال کی تفصیل تھی۔ میں نے سمجھا کہ وہ میری شائق ہے، اور اس لئے اس نے زیادہ تدبر سے کام لینے کے بغیر میرے دوست کو واپس لوٹا دیا۔ لیکن سلیم۔ کیا تم نہیں سمجھتے۔ کہ وہ مجھ پر حکومت کرنے کی بنا رکھی گئی تھی۔ چنانچہ تھوڑے دنوں میں اس کا ثبوت بھی بہم پہنچ گیا، خصوصاً جب میں دوستوں کے ساتھ سیر کرنے کے لئے باہر جانے کے لئے تیار ہوتا۔ کسی نہ کسی بات پر شمیم جھگڑا شروع کر دیتی، اور مجھے دوستوں سے معافی مانگ کر سیر سے انکار کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہتا، پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ میں دوستوں میں بیٹھا ہوتا، اور بار بار ذرا ذرا سی بات پر مجھے اندر بُلا لیا جاتا۔ اور بالآخر یہ ہونے لگا کہ میں نے اندر کہلوا بھیجا کہ دو یا تین آدمیوں کے لئے چائے بھیجی جائے، تو اس کے لئے دو گھنٹے تک انتظار کرنا پڑا،"
سلیم یہ باتیں سُن رہا تھا۔ اور حیرت سے نعیم کی طرف ٹکٹکی باندھے ہوئے تھا، وہ غور سے سُن رہا تھا، اور نعیم بول رہا تھا ؛
"سلیم! آخر تم جانتے ہو کہ ہر شخص کم و بیش سمجھ رکھتا ہے اور پھر ہر مرد کو عورتوں سے واسطہ پڑتا ہے، اور اس لئے وہ کسی حد تک فطرتِ نسوانی

سے واقف ہوتا ہے، چنانچہ میرے دوستوں نے میرے ہاں آنا جانا کم کر دیا، اور بالآخر ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس کے بعد کوئی دوست میرے مکان پر نہ آسکا۔

سلیم۔ وہ ایسا واقعہ کیا تھا؟

نعیم۔ ایک روز میرے تین چار دوست دو تین گھنٹے میرے پاس بیٹھے رہے، اس عرصہ میں کم و بیش نصف درجن پیغام اندر سے آئے، لیکن میں گفتگو کی دلچسپی کی وجہ سے اندر نہ جا سکا، آخر ملازم نے مجھے کان میں کہا کہ بیوی بہت بگڑ رہی ہیں، میں اندر گیا، تو شمیم ساتھ والے کمرے میں دروازے کے قریب کھڑی تھی، مجھے دیکھ کر اس نے بلند آواز سے کہنا شروع کیا "ان لوگوں کو اپنے گھروں میں کوئی کام نہیں، دو گھنٹہ سے ہلنے کا نام ہی نہیں لیتے" میں شرم کی وجہ سے پسینہ پسینہ ہو رہا تھا، میں نہیں کہہ سکتا کہ اس نے کتنی دیر کیا کچھ کہا، اور میں نے کس طرح سب کچھ سنا یہاں تک جانتا ہوں کہ آخر تاب نہ لا کر میں دروازے سے نکل کر اپنے کمرے میں آیا تو کمرہ خالی ہو چکا تھا۔ میرے تمام دوست روانہ ہو چکے تھے، اس کے بعد نہ کوئی دوست مجھ سے ملنے کے لئے آیا اور نہ میں ہی کسی سے ملنے کی کوشش کر سکا۔

(۷)

"اب شمیم کو میرے والدین اور بہن بھائیوں سے نبٹنا تھا، وہ ان سب سے گستاخانہ سلوک کرتی۔ مَیں اِس کے طرزِ عمل کو ناپسند کرتا تھا۔ لیکن اس کی موجودگی میں میری حالت وہی ہوتی۔ جو کسی اژدہا کی چمکدار آنکھوں سے مبہوت ہونے والے پرندے کی ہوتی ہے، جس طرح کمزور ناتواں جانور اژدہا کی طرف کھچا چلا جاتا ہے، اسی طرح میں ساکت وصامت اس کے پیچھے چلا جاتا تھا۔ وہ ایک شمع تھی اور مَیں ایسا پروانہ جو اس کو کعبۂ مقصود بنا کر محوِ طواف رہنا چاہتا تھا، لیکن یہ محسوس نہ کرتا تھا کہ پروانہ جونہی شمع کی لپیٹ میں آئیگا۔ جامِ فنا پینے پر مجبور ہوگا۔ شمع کی فطرت میں جلا دینا مضمر ہے، وہ پروانہ کی دیوانگی اور شیفتگی کی قدر دانی اسی صُورت میں کر سکتی ہے کہ اس کی ہستی کو فنا کردے"

"گھر کے لوگ میری حالت دیکھ رہے تھے، لیکن اصلاحِ حالات کی کوشش نہ کر سکتے، اِس لئے کہ شمیم ذرا ذراسی بات پر ان سے بدسلوکی روا رکھتی۔ میرے چھوٹے بھائی کو اس نے بہت تنگ کیا۔ تم جانتے ہو سلیم۔ بچے شوخ ہُوا کرتے ہیں۔ لیکن میرا بھائی گھر بار چھوڑ کر بھاگ جانے پر مجبور ہوگیا"۔

نعیم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور اس نے جلد رومال سے آنکھیں صاف کیں تاکہ سلیم کو اس کی اس حالت کا علم نہ ہو سکے، لیکن اس کی آواز پھر بھی اس کے دل کی حالت کو ظاہر کر رہی تھی، اس نے بھاری آواز میں کہنا شروع کیا ؛

"سلیم! غور کرنا ایک روز شمیم میری بڑی بہن ہے جو تین چار روز کے لئے ہمارے ہاں آئی ہوئی تھی۔ جھگڑ پڑی، غلطی خود اس کی اپنی تھی، لیکن اس نے ہمشیرہ کو بہت سخت سُست کہا یہاں تک کہ وہ بیچاری فوراً اپنے گھر روانہ ہوگئی، اور پھر اس نے کبھی میرے ہاں آنے کا نام نہ لیا" ؛

سلیم حیران و ششدر ہو رہا تھا، جب نعیم یہاں تک پہنچا اس نے تعجب سے پوچھا "تو کیا ہمشیرہ واقعی پھر تمہارے ہاں کبھی نہ آئی" ؛

نعیم۔ کبھی نہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز چیز یہ ہے کہ میں نے بھی اس کی پروا نہ کی ؛

اب فقط میرے اور شمیم کے درمیان ایک حجاب باقی رہ گیا تھا، اور وہ میرے والدین کی موجودگی تھی، شمیم اب اس فکر میں تھی کہ اس حجاب کو بھی درمیان سے اُٹھا کر میرے سامنے اپنی پوری رعنائی اور دلفریبی کے ساتھ ظاہر ہو۔ چنانچہ "اچانک سلیم نے گھڑی دیکھی اور کہا

"اوہو! اب تو میں ٹھہر نہیں سکتا، یہ قصہ کیوں کر ختم ہو"۔
نعیم۔ چلو میں آج تمہارے ساتھ دو چار سٹیشنوں تک چلتا ہوں، راستہ میں قصہ بھی بیان ہو جائیگا، اور ہماری ملاقات بھی طویل ہو جائے گی۔

(۸)

کوہستان کی دلفریب فضا میں ٹرین پوری رفتار کے ساتھ چل رہی تھی، سلیم و نعیم کے علاوہ ان کے کمرے میں اور کوئی نہ تھا، اس لئے نعیم بغیر کسی قسم کی رکاوٹ کے اپنا قصہ یوں سنا رہا تھا۔

"سلیم! تم یہ سن کر حیران ہوگے کہ ہمارے ہاں شمیم کی ایک سہیلی حسن آرا آیا کرتی تھی، اس کے متعلق اکثر ناگوار باتیں سننے میں آیا کرتیں۔ میرے والدین کو اس کا ہمارے ہاں آنا ناپسند تھا۔ ایک روز والدہ نے میرے اور شمیم کے سامنے یہ کہا کہ "ہم لوگ حسن آرا کا یہاں آنا ہرگز گوارا نہیں کر سکتے"۔

"میں نے شمیم کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں والدہ کے لئے نفرت بھری ہوئی تھی، اس نے سر کے اشارے سے مجھے سمجھا دیا کہ وہ حسن آرا کو نہیں چھوڑ سکتی، میں نے والدہ سے کہہ دیا کہ حسن آرا کا آنا جانا بند نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے کہا "پھر ہم لوگ یہاں نہیں رہیں گے"۔

"دوسرے روز والد والدہ۔ اور چھوٹی ہمشیرہ اور ننھا اختر سب سیڑھیوں سے اُتر رہے تھے، والدہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار جاری تھا، وہ حسرت سے مکان کے در و دیوار پر اور مجھ پر نگاہ ڈال رہی تھیں۔ لیکن میں مطمئن کھڑا تھا اِس لئے کہ شمیم سامنے کھڑی مجھے گھور رہی تھی، سب لوگ چلے گئے، اور شمیم بھی مجھے کمرے میں علیحدہ چھوڑ کر فاتحانہ انداز میں آہستہ خرامی کے ساتھ اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گئی۔"

"ہاں اس سے پیشتر کے دو واقعے قابل غور ہیں، ایک روز وہ والدہ سے بہت جھگڑی، زیادتی سراسر اس کی اپنی تھی، اور وہ اِس قدر برہم ہوئی کہ اسے غش آ گیا، اسے بیہوش دیکھ کر میں گھبرا گیا، اور اسے ہوش میں لانے کی تدابیر کرنے لگا، بڑی کوشش کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں، عین اس وقت میں اس کے تلوے سہلا رہا تھا، اس نے آنکھیں کھولیں اور دیکھا کہ حُسن کا پرستار کس عقیدت کے ساتھ حسن کی دیوی پر جان فدا کر رہا ہے اور پھر آنکھیں بند کر لیں، اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہ میری خدمت گزاری کے سلسلہ کو وسیع کیئے رکھنا چاہتی ہے۔"

پھر اس کے چند روز بعد ہی میں دوپہر کے وقت دیر تک متواتر

گرمی میں اس کے لئے خرید و فروخت کرتے رہنے کی وجہ سے گھر پہنچتے ہی بیہوش ہو گیا۔ والد۔ والدہ بہن بھائی سب مجھے ہوش میں لانے کی تدابیر کرنے لگے، جونہی میری آنکھیں کھلیں۔ میں نے ان میں سے کسی کی طرف نہ دیکھا بلکہ میری نگاہ شمیم کی صورت تلاش کر رہی تھی۔ لیکن اس کا کہیں پتہ نہ تھا، اچانک میری نظر سامنے دروازہ پر پڑی، اس میں سے گزر کر ساتھ کے کمرے میں میری نگاہ ایک سنگھار میز کے بڑے آئینے پر پڑی تو معلوم ہوا کہ شمیم وہاں کھڑی بالوں میں کنگھی کر رہی ہے۔

"اب والدہ سمجھ چکی تھیں کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ انہوں نے سب کو باری باری کمرہ میں سے نکالا، اور خود شمیم کو بلا کر میرے پاس چھوڑ گئیں شمیم میرے پاس آ کر بیٹھ گئی اور میں زندہ ہو گیا۔

"بہر حال اب میں اور شمیم تھے۔ اور زندگی کا لطف۔ اب کوئی نہ تھا، جس کی موجودگی میں ہماری مسرت میں رخنہ انداز ہو سکتی"۔

(۹)

نعیم کہہ رہا تھا۔

"والدین۔ بہن۔ بھائی۔ دوست۔ احباب سب کے درمیان میں سے ہٹ جانے کے بعد شمیم کے لئے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے لئے

بھی راحت و انبساط کا ایک وسیع اور ہموار میدان کھل گیا، ہر روز روز عید اور ہر شب شب برات کا دھوکہ دیتی تھی، لیکن سلیم تم جانتے ہو کہ زندگی تغیّر کا نام ہے، کوئی ادنٰے سے ادنٰے شے بھی ہمیشہ ایک حال پر قائم نہیں رہتی، جہاں زندگی ہو گی وہاں تغیّر ہو گا اس لئے انسان ہمیشہ تغیّر کا متلاشی رہتا ہے ایک حال خواہ کس قدر بھی خوش کُن کیوں نہ ہو، ایک مدت کے بعد قابل تغیّر ہو جاتا ہے ؛؛

"میں دو سال متواتر ایک حال پر قائم رہا تھا، مجھے کبھی کسی دوست سے ملنے کی خواہش نہ ہوئی۔ نہ کسی عزیز و قریب سے مُلاقات کا خیال میرے دل میں آتا میرے دل کی دُنیا محض شمیم کے تصوّر کے لئے وقف تھی اور اس میں اور کسی کا خیال نہ سما سکتا تھا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری فطرت اب کچھ تغیّر طلب کرتی تھی" ؛؛

سلیم اِس موقع پر چونکتا ہُوا اور نعیم اس کی ذہنی کیفیّت کو تاڑ گیا۔ اور کہنے لگا "نہیں سلیم! میں نے آخر وقت تک شمیم کی محبّت دل سے نہیں نکالی، گو میرے دل میں رفتہ رفتہ کسی اَور کے لئے بھی احساس پیدا ہونے لگا، لیکن شمیم کا تصوّر پھر بھی اسی طرح باعثِ حیات بنا رہا۔ سلیم۔ تم متعجّب نہ ہونا۔ میں نے ابھی کہا کہ میں شمیم کے تصوّر کو بھی باعثِ حیات سمجھتا تھا، اور کسی اور کے لئے بھی احساس رکھنے والا تھا! انسان کو

ایک مجموعہ اضداد سمجھو، وہ بیک وقت نیک اور بد ہوتا ہے، ایک ہی وقت میں ایک ہی آدمی بے رحم اور رحم دل بنا رہتا ہے، ایک ہی لمحہ میں انسان جرأت اور بزدلی کا مظاہرہ کرتا ہے"۔

سلیم تعجب سے نعیم کی طرف دیکھ رہا تھا، اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ نعیم کی گفتگو کی اکثر چیزیں اس کے لئے انوکھی تھیں، اور نعیم اپنے فہم رسا کی بدولت اس کے تعجب و حیرت کو محسوس کر رہا تھا۔ کچھ دیر سلیم کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد وہ بولا۔

"سلیم تم میری باتیں تعجب سے سنتے ہو۔ تم سچے ہو باوجود اعلیٰ ترین تعلیم پانے کے تم نے زندگی کے مختلف شعبوں کا بامعان نظر مطالعہ نہیں کیا، تم پر ہی کیا موقوف ہے تمام ہندوستانی نوجوان زندگی کا صحیح مطالعہ نہیں کرتے دیکھ لو انگلستان میں جانے والے ہندوستانی جو گھروں کی چار دیواریوں سے باہر کسی نامحرم کی صورت کی جھلک نہیں پا سکتے، ان ممالک میں آکر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ معینہ مدت کے اندر زندگی کا حظ اُٹھالیں، لیکن وہ انگریز قوم کی فطرت کا وقتِ نظر کے ساتھ مطالعہ نہیں کر سکتے، وہ نوجوان بیباک عورتوں سے ایک خاص عالم میں ملتے ہیں اور ان کی اصل فطرت سے بے خبر رہتے ہیں اگر بین السطور مطالعہ کریں، تو معلوم ہو کہ مغرب کی وہ دلفریب و ذہنہ شکن فضا جس میں

آکر انسان بے قابو ہو جاتا ہے، انتہائی طور پر مسموم ہو چکی ہے مغرب کے نظامِ تمدن کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی ہیں، اور اب محض ایک زبردست جھٹکے کی ضرورت ہے، جس کے بعد تمام عمارت دھڑام سے نیچے آگرے گی، اہلِ نظر اس قیامت خیز لمحے کے منتظر ہیں، خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ مَیں کہہ رہا تھا کہ مَیں شمیم کا والہ و شیدا بھی تھا اور اس بات کا خواہشمند بھی ہونے لگا تھا کہ کسی اَور سے ہم کلام ہوں"۔

(۱۰)

نعیم کے چہرے پر ہلکی سی سُرخی دَوڑ گئی، ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ وہ اپنے آپ سے شرما رہا ہے، وہ باتیں کرتے ہوئے رُکنے لگا، سلیم کو بھی اس کی حالت کا احساس ہُوا اور وہ جو پہلے سے حیرت زدہ ہو رہا تھا اب اَور بھی حیران ہونے لگا، آخر نعیم باقاعدگی کے ساتھ سلسلہ گفتگو جاری رکھنے میں کامیاب ہو گیا اور کہنے لگا،

"شمیم کی وہ سہیلی جس کے ہمارے ہاں آنے جانے کی بنا پر میرے والدین مجھ سے علیحدہ ہو گئے تھے، میرے ہاں ہر روز آیا کرتی تھی، جس وقت وہ ہمارے مکان میں ہوتی۔ میں اکثر علیحدہ اپنے کمرے میں بیٹھا کرتا، لیکن وہ اکثر میرے سامنے سے گزرنے کی کوئی نہ کوئی وجہ نکال لیتی۔ میں اپنی نگاہ نیچی رکھتا لیکن تم جانتے ہو، کہ انسان گو بالارادہ

ایک وقت میں ایک ہی چیز کو دیکھ سکتا ہے، لیکن بلا ارادہ ایک وقت میں اسے اکثر چیزیں نظر آ ہی جاتی ہیں، لہٰذا میں اکثر محسوس کرتا کہ حسن آرا میرے سامنے بے باکی کے ساتھ اپنے آپ کو ظاہر کرنے کی پوری کوشش کرتی ہے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ (میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب کیوں کر ہوا)

بہرحال رفتہ رفتہ وہ میرے سامنے بے تکلّفی کے ساتھ بے پردہ اُٹھنے بیٹھنے لگی"۔

"میں اور شمیم کبھی کبھی سینما دیکھنے جایا کرتے تھے، اور حسن آرا کو اس کا علم تھا، ایک روز شمیم اپنے ایک بیمار عزیز سے ملنے گئی ہوئی تھی"۔

"سلیم - تم سمجھے میرا ملنا والدین - بہن، بھائی - دوست احباب سب سے چھوٹ چکا تھا، لیکن وہ اپنے عزیزوں سے برابر ملتی، اس کے قریبی رشتہ دار اکثر ہمارے ہاں آتے جاتے رہتے تھے، خیر تو وہ ایک روز ایک بیمار عزیز کی خبر دریافت کرنے گئی، اور اس کے جانے کے بعد جہاں آرا پہنچی، مجھ سے دریافت کیا - تو میں نے اسے بتایا کہ شمیم تو آج گھر پر نہیں، اور نہ رات کو ہو گی، کیونکہ اسے رات کو بھی وہیں ٹھہرنا تھا، حسن آرا پہلے تو مایوس سی ہو گئی، ایک لمحہ کے لئے وہ خاموش کھڑی رہی پھر اچانک اس کے چہرے پر مسرّت و اطمینان کے

آثار ظاہر ہوئے اور اس نے فوراً کہا:۔ "اچھا۔ خیر آج بھائی ایک برات کے ساتھ گئے ہیں، اور انہوں نے رات باہر ہی ٹھہرنا ہے، اس لئے مَیں یہیں ٹھہروں گی" +

"سلیم مَیں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ مَیں نہیں جانتا کہ یہ کیونکر ہُوا لیکن مَیں اور حسن آرا اکٹھے سینما ہال کے خوبصورت باکس میں بیٹھے تھے، ڈرامہ ایک ایکٹرس کی عشقیہ زندگی کا تھا، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسی ایکٹرس کا ایک نمونہ میرے پہلو میں بیٹھا ہُوا ہے +

سینما سے فارغ ہو کر میں نے ایک ٹیکسی لی۔ اور قریباً رات کے ایک بجے تک باغات کی سیر کی، شمیم کی صُورت میرے لئے ایک سحر ثابت ہو چکی تھی، لیکن حسن آرا کے حسن عالمتاب نے تو مجھے بالکل اپنے آپ سے غافل بنا دیا" +

(۱۱)

سلیم اس وقت نعیم سے ایک سوال کرنے پر مجبور ہُوا اس نے تامل کے ساتھ کہا "کیا یہ ممکن ہے کہ انسان ایک ہی وقت میں دو عورتوں سے محبّت کرے" +

نعیم کہنے لگا "سلیم میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ انسان مجموعہ اضداد ہے، مَیں ایک طرف شمیم پر جان نثار کر رہا تھا، اور دوسری طرف حسن آرا کا

شیدا بن رہا تھا۔

"دوسرے روز شمیم گھر آئی اور حسن آرا کو دیکھ کر متعجب سی ہوئی، اس نے حال دریافت کیا، اور جب یہ سُنا کہ حسن آرا رات کو یہیں سوئی تھی۔ اس کی پیشانی پر شکن پڑ گئے، چند روز اس کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا رہا، کہ وہ بگڑی ہوئی ہے، چنانچہ اس نے بعض باتوں سے یہ ظاہر بھی کر دیا کہ وہ حسن آرا کا اپنے ہاں آنا جانا چنداں پسند نہیں کرتی، لیکن کچھ روز گزرنے پر یک لخت وہ اس بارے میں لاپروا ہو گئی، وہ اکثر مجھے اور حسن آرا کو کمرے میں چھوڑ کر کسی دوسرے کمرے میں اپنے کام میں مصروف ہو جاتی۔

"حسن آرا نے میرے سامنے ایک روز یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ ہمارے ہاں آنا جانا کم کر دے، اور میں اس سے باہر مل لیا کروں، مجھے یہ تجویز پسند آئی، اور اس کے بعد میں اور وہ اکثر شہر سے دُور سیر گاہوں میں ایسے اوقات میں ملتے جبکہ عام لوگوں کے وہاں آنے کا امکان کم ہوتا۔

شمیم مجھ سے محبت کرتی۔ اور میں یقین کرنے لگا کہ وہ اب مجھ سے خوش ہے، کیونکہ حسن آرا اب ہمارے ہاں نہ آتی تھی، اس لئے میں جس قدر عرصہ گھر پر رہتا، اسے خوش کرنے کی کوشش میں مصروف رہتا،

مَیں مطمئن تھا کہ میں اِس کو بھی خوش رکھتا ہوں، اور حسن آرا سے بھی مل لیتا ہوں، مجھے شمیم کی سادگی طبع پر ہنسی بھی آتی، اور تعجب بھی ہوتا۔ وہ میرے طرزِ عمل سے مطمئن معلوم ہوتی تھی، مَیں اگر گھر سے باہر وقت صرف کرتا، تو وہ کبھی اس کی شاکی نہ ہوتی، حالانکہ پہلے وہ میری غیر موجودگی کو قطعاً گوارا نہ کرتی تھی۔

ایک روز حسن آرا نے مجھ سے کہا کہ یہاں ملنے میں کچھ لُطف نہیں، کہیں باہر چلیں۔ اسی وقت فیصلہ ہُوا۔ کہ تین چار روز کے لئے دہلی و آگرہ کی سَیر کی جائے، میں نے شمیم سے کہا کہ ایک برات کے ساتھ باہر جاؤں گا اس نے پہلے تو کہا کہ "مَیں اکیلی رہوں گی" لیکن پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی "اچھا مَیں صفدر کو بُلا لوں گی"۔

صفدر کا نام سُن کر مَیں چونکا۔ سلیم تم جانتے ہو وہ کون ہے؟

سلیم نہیں۔

نعیم۔ وہ شمیم کی سوتیلی والدہ کا بھائی اور شمیم کا قریباً ہم عُمر تھا، وہ ہمارے ہاں وقتاً فوقتاً آتا رہتا تھا اور جب سے میرا حسن آرا سے ملنا جُلنا شروع ہُوا تھا وہ بھی ہمارے ہاں زیادہ آنے جانے لگا تھا، میں نے بعض اوقات دیکھا کہ وہ اور شمیم بڑی محویت کے عالم میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے، بعض اوقات میں نے یہ بھی دیکھا کہ شمیم سو کر

ابھی اُٹھی ہے، اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں، کہ صفدر آیا اور اس کے پاس چارپائی پر بیٹھ گیا۔ میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا"
سلیم اس مقام پر زور سے بولا "نعیم۔ تم نے اس چیز کو برداشت کر لیا اور کوئی مزاحمت نہ کی ❊

نعیم۔ "سلیم! تم میری باتیں سُنتے جاؤ۔ ہر عُقدہ خود بخود حل ہوتا چلا جائیگا"
سلیم! تم نہیں جانتے کہ جس شخص کا ضمیر خود ناپاک ہو، وہ دُوسروں پر نُکتہ چینی کی جُراُت نہیں کر سکتا، جُراُت اِس شخص میں ہوتی ہے جس کا ضمیر گُناہوں سے پاک ہو۔ جب کبھی شمیم و صفدر کو اکٹھا دیکھتا، وہ وہی وقت ہوتا جب کہ میں حسن آرا سے مل کر آیا ہوتا، ایسے حال میں میرے اندر اِس قدر جراُت نہ پیدا ہوتی، کہ میں ان کے خلاف لب ہلا سکوں ❊

اس روز میں آمادہ ہُوا کہ صفدر کے خلاف کچھ کہوں، لیکن فوراً ہی حسن آرا کا صبر شکن تصوّر میرے ذہن میں آ گیا، دہلی و آگرہ کی سیر کا شوق اور پھر حسن آرا ایسی حسینہ کی معیت میں ان چیزوں نے میرے دل و دماغ سے شمیم و صفدر کا خیال نکال دیا ❊

(۱۲)

چاند کی دلفریب روشنی میں ہم اور حسن آرا تاج محل کا نظارہ دیکھ رہے

تھے، ایک طرف ہندوستان کا عظیم المرتبت فرمانروا اپنی محبوب بیوی کے قریب ابدی نیند میں محو تھا، اور ایک طرف میں اور حسن آرا ایک ڈیرے کے پاس کھڑے تھے، دُنیا کی ہر وہ خوشی جو ایک مرد ایک عورت کے پاس رہ کر حاصل کر سکتا ہے، میں اس روز پا رہا تھا ۔

لیکن سیر سے فارغ ہو کر جس روز میں علی الصبح گھر پہنچا میرا تمام لُطف جاتا رہا، اِس لئے کہ گھر میں داخل ہوتے ہی جب میں شمیم کے کمرے میں گیا، تو میں نے اس کمرے میں ایک چارپائی پر شمیم کو اور ایک صفدر کو سوتا پایا میرے دل میں صفدر کے لئے ایک نفرت، ایک دُشمنی پیدا ہو گئی، لیکن آگرہ کی سیر اور حسن آرا کی معیت کے خیال نے میرے غصّے کو سرد کر دیا ۔

ان دنوں ہمارے شہر میں ایک بہت بڑی تھیٹریکل کمپنی آئی ہوئی تھی، ایک روز حسن آرا نے اس کا تماشہ دیکھنے کا خیال ظاہر کیا میں نے شمیم سے کہہ دیا کہ آج تھیٹر پر جاؤں گا، جب رات کو حسن آرا سے مُلاقات ہوئی، تو اس نے کہا کہ تھیٹر کو تو آج بھائی گئے ہیں چلو ہم سینما کو چلیں تاکہ ان سے پہلے پہلے فارغ ہو کر گھر پہنچ سکیں، چنانچہ ہم سینما کو گئے، لیکن اس شب کو میرا دل اندر ہی اندر بیٹھا جاتا تھا، مجھے کچھ بے چینی سی تھی میں وہاں بیٹھ نہ سکتا تھا، چنانچہ ہم جلد وہاں سے نکل کر واپس

گھروں کو لوٹے، حسن آرا سے علیحدہ ہو کر میں گھر پہنچا، اور سیدھا شمیم کے کمرے میں گیا، لیکن شمیم کی چارپائی خالی پڑی تھی، اس کا بستر ظاہر کر رہا تھا کہ آج اس پر کوئی نہیں سویا ⁂

میں رات کے بارہ بجے تک حیران و ششدر بیٹھا رہا، بارہ بجے اور آہٹ ہوئی، میں چھپ کر دیکھنے لگا، اچانک شمیم و صفدر ہاتھوں میں ہاتھ دئے خوش و خرم اندر داخل ہوئے، بڑے اطمینان سے شمیم نے برقعہ اُتارا، دوپٹہ اس کے ساتھ خود بخود اس کے سر سے گر پڑا، صفدر اگلے روز پھر ملنے کا وعدہ لے کر باہر چلا گیا اور شمیم سو گئی ⁂

اِس شب کو میں بالکل سو نہ سکا، رات بھر میں انتقام کی تجاویز سوچتا رہا، دوسرے روز میں نے شام کے قریب شمیم سے کہا کہ آج چاندنی رات ہے چلو شہر سے دُور سیر کو چلیں، وہ تیار ہو گئی، اس وقت اس نے نہایت ہی خوبصورت کپڑے زیب تن کئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ آج اپنے حسن کا پورا مظاہرہ کرنا چاہتی ہے، میں اسے لے کر نور جہاں کے مقبرہ پر پہنچا، اِدھر اُدھر پھر کر کافی وقت گزارنے کے بعد میں نے کہا چلو تہ خانہ میں چل کر قبر دیکھیں۔ میرے ایک ہاتھ میں جلتی ہوئی موم بتی تھی، اور ایک ہاتھ اس کی کمر کے گرد تھا ⁂

اِس حال میں ہم نیچے پہنچے، میں اس کے پاس کھڑا ہو کر اس کی صورت

دیکھنے لگا، اِس شب کو اس کی صُورت میں غضب کا اثر پیدا ہو رہا تھا، اور قریب تھا کہ مَیں بڑھ کر محبت کا ہاتھ اس کے گلے میں ڈال دوں کہ میرے دماغ میں ایک محشر برپا ہو گیا، مَیں خائف ہوا مبادا مجھ سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے جو میرے مجوزہ پروگرام میں خلل پیدا کر دے، میں نے بڑھ کر اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے، اور اس سے پوچھا۔ "شمیم بے وفائی کیسا جرم ہے"، اس نے کہا "بہت بُرا" میں نے کہا "تو آج تم یہاں بے وفائی کی سزا پانے آئی ہو" میں نے یہ کہا اور ایک زبردست مُکا اس کے مُنہ پر مارا، وہ لڑکھڑا کر گری اور "ہائے" کہہ کر میری طرف دیکھنے لگی، میں نے فوراً اس کا گلا دبا دیا اور اُس وقت تک دبائے رکھا جب تک کہ وہ بالکل ساکن نہ ہو گئی۔

اس کے بعد مَیں وہاں سے باہر نکلا، اور اطمینان سے سٹیشن پر آیا۔ مَیں اس روز گھر سے اِس خیال سے نکلا تھا، کہ پھر واپس وہاں نہیں پہنچنا ہے، چنانچہ شمیم کے قتل کے بعد میں مختلف راستوں سے ہوتا ہُوا یہاں پہنچا۔

کچھ دیر کے بعد نعیم اکیلا ٹرین میں بیٹھا ہُوا سگرٹ کے لمبے لمبے کش لگا رہا تھا۔

چشمکِ برق

۱۵ ستمبر

میری سہیلیاں جب کبھی عشق و محبّت کے افسانے میرے سامنے دہرایا کرتی تھیں۔ مَیں ہمیشہ ان کو استہزاد کے قابل قرار دیتی۔ مجھے خوب یاد ہے۔ جب عذرا نے ایک روز رو رو کر اپنی داستانِ غم مجھے سُنائی۔ اور جب تک وہ اپنی داستان رو رو کر سُناتی رہی میرے لبوں پر مُسکراہٹ طاری رہی۔ مَیں یقین کے ساتھ یہ خیال کرتی رہی کہ اس نے خود اپنے آپ کو بیوقوف بنایا۔ ورنہ دامِ محبّت میں گرفتاری کا سبب انسان خود بنتا ہے ....

لیکن آہ! اچھی عذرا کی داستانِ محبّت کتنی سچّی تھی۔ اس کے جذبات کتنے فطری تھے۔ وہ کس قدر مجبور و لاچار تھی۔ میں نے آج اِس حقیقت کو پالیا۔ مَیں آج اس کی مجبوریوں اور لاچاریوں کو سمجھ گئی ؛

کیا ہی اچھے تھے وہ دن جبکہ میں ایک محدود ماحول میں زندگی بسر کرتی تھی۔ جبکہ میری نگاہ گھر کی چار دیواری سے باہر نہ نکل سکتی تھی۔ جبکہ میری دُنیا میرا گھر اور اہلِ دُنیا فقط ماں باپ یا بھائی بہن تھے ...... اور آہ! کیا ہی بُرے ہیں یہ دن۔ جبکہ باہر کی دُنیا کی وسعت نے میری نگاہ کی تنگی کو مبدل بہ پریشانی کر دیا......

۲۰ ستمبر میں بھائی جان کے ساتھ تبدیل آب و ہوا کے لئے گذشتہ جون میں انسانی آبادیوں سے دُور وادئ کاغان کی بلندیوں پر فلک بوس پہاڑوں کے درمیان۔ برف سے ڈھکے ہوئے کناروں والی وسیع و عمیق اور صاف و شفاف جھیل کے کنارے ایک چھوٹے سے خیمے میں اقامت گزیں تھی۔ میرا دل ہر قسم کے پریشان کُن خیالات سے خالی تھا۔ کسی قسم کے تشویش انگیز حالات میرے دل و دماغ کو پریشان نہ کرتے تھے۔ میں اس جھیل کے کنارے جسے دُنیا والے "سیف الملوک" کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ گھنٹوں بیٹھی۔ کبھی جھیل کے پانی سے کھیلتی رہتی اور کبھی کنارے کی ریت سے دل بہلاتی ۔

چاندنی راتوں میں اس مقام پر جو سطح سمندر سے کم و بیش دس ہزار فٹ بلند تھا۔ جو لطف قلب و رُوح کو حاصل ہوتا اس کا بیان محال ہے۔ لیکن ......

جون کا آخری ہفتہ اپنے ساتھ میرے لئے کیا کچھ لایا +

دوپہر کے عین بارہ بجے میں خیمہ کی پشت پر بیٹھی میز پوشس پر ریشمی دھاگے سے پھول بنا رہی تھی کہ اچانک بھائی جان ہانپتے ہوئے آئے اور کہنے لگے " شفیعہ بہن۔ آج تمہیں کسی قدر تکلیف ہوگی" میں نے کہا " کیوں کیا ہُوا بھائی جان " وہ کہنے لگے " ابھی ایک مسافر تن تنہا سیر کے لئے آئے ہیں۔ اور انہیں راستہ میں سخت تکلیف ہوگئی ہے۔ ان کے لئے آج یہاں سے لوٹنا محال ہے۔ اور واپس جانے کے قابل ہونے کے لئے ان کو تین چار روز لگ جائیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ چونکہ صورت اور وضع سے وہ خاندانی معلوم ہوتے ہیں۔ ان کو اپنے پاس ٹھہرا لیا جائے " میں نے کہا " جیسے آپ کی مرضی "

۲۲ ستمبر

میں چاہتی ہوں کہ تمام ماجرا ایک وقت سپردِ قلم کر دوں۔ لیکن جون کے اس یادگار آخری ہفتے سے لے کر آج تک وہ سکون و اطمینان ایک لمحہ کے لئے بھی نصیب نہ ہُوا۔ جس کے بغیر حالات کا تسلسل رہنا محال ہے۔ افسوس! کس قدر بُرا تھا وہ لمحہ جبکہ میری زبان سے " جیسے آپ کی مرضی " کے الفاظ نکلے۔ بھائی جان کی خواہش کو رد کر دینے سے جو نقصان اس وقت ہوتا یقیناً قابلِ برداشت ہوتا۔ لیکن ان کی خواہش

پورا کرنے کے خیال نے مجھے جس ناقابلِ برداشت مصیبت کا شکار بنادیا۔ اس کا اظہار میں اب سوائے اپنے پوشیدہ روزنامچے کے اور کہاں کر سکتی ہوں۔ اور یہاں بھی فقط اس خیال سے کر رہی ہوں کہ اس کو پڑھ کر بہت سی معصوم لڑکیاں اپنے آپ کو محبت کے لا علاج روگ سے بچا سکیں۔ یعنی اپنے آپ کو ایسے حالات سے محفوظ رکھ سکیں۔ جن میں دامِ محبت میں گرفتار ہونے کا امکان پیدا ہو سکتا ہے۔

یہ نووارد ہمارے خیمہ میں فروکش ہو گئے۔ ہم نے ایک اور سایہ دار جگہ خیمے کے متصل بنالی اور یہ نئی جگہ میری قیامگاہ بن گئی۔ بھائی جان چند روز تک نووارد کی خبر گیری میں منہمک رہے۔ میرے ساتھ بیٹھنے یا سیر کرنے کا وقت انہیں کم ملتا۔ مریض کی حالت بجائے بہتر ہونے کے بدتر ہو رہی تھی۔ اِس جگہ نہ دوائی میسّر تھی۔ نہ مریضوں کے کھانے کے قابل خوراک۔ وہ سامانِ خورد و نوش جو ہم اپنے ساتھ لائے تھے ختم ہونے کو تھا۔ "سیف الملوک" کے کنارے سوائے ایک آدمی کے جو بھیڑ بکریاں پالتا تھا۔ اور کوئی متنفس ہمارا شریکِ حال نہ ہو سکتا تھا۔ وہ ہمیں مریض کے لئے ہر روز بلا معاوضہ بکریوں کا دودھ دے جاتا۔

ایک روز جبکہ قمری مہینے کی تیرھویں تاریخ تھی۔ بھائی جان گھر سے اس ارادہ کے ساتھ نکلے، کہ "سیف الملوک" کی بلندیوں سے اُتر کر

وادی کاغان کی کسی دُور دراز آبادی سے مریض کے لئے دوائی لائیں۔ میں جھیل کے کنارے رہ کر بہت کچھ نڈر ہو چکی تھی۔ بکریوں کا مالک ہم لوگوں سے اتنا مانوس ہو چکا تھا کہ وہ ہم پر جان تک نثار کرنے کو تیار رہتا۔ بھائی جان نے میری تسلی کی اور شام تک واپس آنے کا وعدہ کر کے ان فلک بوس پہاڑوں سے اُترنا شروع کیا۔

شام تک ان کی واپسی نہ ہوئی۔ آفتاب عالمتاب مغرب کی گود میں آرام کے لئے سو چکا تھا۔ ماہِ سپہر افروز جو اپنی زندگی کی چودھویں منزل میں پہنچ چکا تھا۔ جھیل کے صاف اور خاموش سطح پر جلوہ ریز ہونے لگا۔ "سیف الملوک" کا ماحول ایک ہوش ربا منظر بن گیا۔ چاند کی روشنی پہاڑوں کی چوٹیوں پر، جھیل کے ارد گرد پھیلی ہوئی شفاف سطح پر۔ جھیل کے ساکن پانی پر اس کے خوبصورت کناروں پر پڑ رہی تھی۔ میں اس فکر میں لیٹی تھی۔ کہ بھائی جان آئیں اور ہم شام کا کھانا کھا کر جھیل کے کنارے چاندنی کا لُطف اُٹھائیں کہ اچانک "ہائے۔ ہائے" کی دردانگیز آواز نے مجھے ڈرا دیا۔ میں اس آواز کو پہچانتی تھی۔ وہ آواز ہمارے مریض مہمان کی تھی۔ اس کے بعد "راشد۔ راشد" کی آواز آئی۔ میں حیران تھی۔ کہ کیا کروں۔ لیکن "ہائے۔ ہائے" اور "راشد، راشد" کی صدا متواتر بڑھتی گئی۔ اور مجھے محسوس ہونے لگا کہ مریض انتہائی

بے چینی میں مبتلا ہے۔ اس وقت میرے دل میں خیال پیدا ہُوا۔ کہ بھائی جان کی واپسی کا انتظار کرتے کرتے مریض کو نا قابلِ برداشت تکلیف نہ ہو جائے۔ یہ خیال آتے ہی اُٹھی۔ اور اپنی قیام گاہ سے نکلی۔ اور مریض کی طرف بڑھنے لگی۔ میرا جسم سر سے پاؤں تک کانپنے لگا۔ میرے پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ میری زبان خشک ہو گئی۔ بہرحال میں خیمے کے اندر داخل ہوئی۔ اندر ایک تپائی پر لیمپ جل رہا تھا۔ اور قریب ہی چارپائی پر مریض لیٹا ہُوا تھا۔ لیمپ کی روشنی اُس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی ایک لمحہ کے لئے میری نظر بیمار کے چہرے پر پڑی۔ پھر میری نظر فوراً ہی نیچے زمین کی طرف جُھک گئی۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کہا "بھائی جان ابھی تک آپ کے لئے دوائی لے کر نہیں لوٹے۔ آپ فرمائیے۔ کیا چاہیئے"۔ مریض نے جواب دیا "پانی"۔

اس وقت میرا تمام جذبۂ رحم و ہمدردی مبدل بہ طیش ہو گیا۔ اس لئے کہ پانی تو ہر وقت اس کی چارپائی کے پاس ایک چھوٹی سی تپائی کے اوپر رکھا رہتا تھا۔ پھر میرے دل میں ایک خیال پیدا ہُوا۔ اور میں اس تپائی کی طرف بڑھی۔ جب میں نے پانی کے برتن کو اُٹھایا تو وہ خالی تھا۔ میں اپنے دل میں بہت شرمندہ ہوئی۔ اور جلد جلد خیمہ

سے نکل کر جھیل میں سے پانی لائی۔ اب تک میں نے سوائے اس لمحے کے جب میں پہلی بار خیمہ میں داخل ہوئی تھی۔ مریض کی طرف نہ دیکھا تھا۔ لیکن اب جبکہ مجھے پانی پیش کرنا تھا۔ میرے لئے اس کی طرف دیکھنا ناگزیر ہو گیا۔ میں کانپتے ہوئے ہاتھوں اور لڑکھڑاتے ہوئے پاؤں اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس کی طرف بڑھی۔ میرا ہاتھ جس میں پانی کا گلاس تھا۔ اس کی طرف بڑھا۔ اور میری نظر اس کی نظر سے ملی۔ گلاس اس نے میرے ہاتھ سے لیا۔ اور وہ پانی پینے لگا۔ میں نظر زمین پر گاڑے کانپتی ہوئی کھڑی تھی۔ لیکن میری چشم تصور کے سامنے ایک مسکراتا ہوا چہرہ تھا۔

مریض نے پانی پی لیا۔ اور گلاس مجھے واپس دیتے ہوئے "شکریہ" کہا۔ میں خیمہ سے نکل کر اپنی قیام گاہ میں آ گئی۔ میں پڑھنا چاہتی تھی۔ نہ پڑھ سکتی تھی۔ لیٹنا چاہتی۔ مگر نہ لیٹ سکتی۔ میز پوش لے کر بیٹھی کہ پھول بناؤں۔ لیکن نہ بنا سکی۔ باہر نکل کر ٹہلنا چاہا۔ لیکن پاؤں لڑکھڑاتے تھے۔ جھیل کے کنارے بیٹھ کر پانی کی سطح پر چاندنی کی بہار دیکھنے لگی۔ لیکن دل اندر ہی اندر بیٹھا جا رہا تھا۔ اُٹھی اور پھر اپنی قیام گاہ میں داخل ہو کر چارپائی پر لیٹ گئی۔

۲۵ - ستمبر

یادِ ایّامِ گذشتہ اپنے اندر گوناگوں کیفیّات رکھتی ہے۔ اگر ایک وقت گذشتہ واقعات کی یاد سرور و انبساط کی کیفیّت دل میں پیدا کرتی ہے۔ تو دوسرے وقت اندوہ و غم دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ گزرے ہوئے واقعات چشمِ تصوّر کے سامنے اپنی اصلی حقیقت کے ساتھ رونما ہو کر کیفیّات و احساسات کا ایک ایسا عالم پیدا کر دیتے ہیں کہ انسان از سرِ نو آپ کو انہیں حالات میں گرفتار پاتا ہے۔ اِس وقت درد و اندوہ نئے سرے سے دل و دماغ کو تکلیف میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مَیں اُس روز وہ حصّہ پُورا نہ لکھ سکی؛

مَیں چارپائی پر لیٹ گئی اور چاہا کہ سو جاؤں لیکن نہ سو سکتی تھی۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مَیں نشے میں ہوں۔ یکایک میرے کانوں میں ایک دلکش آواز آنے لگی۔ میں چونکی غور کرنے لگی۔ محسوس ہُوا کہ خیمے کے اندر سے آواز آ رہی ہے۔ میں نے کوشش کی کہ سنوں۔ آواز میں کمزوری تھی۔ لیکن سُریلا پن بھی تھا۔ مَیں زیادہ غور سے سُننے لگی۔ بالآخر میرے کانوں نے یہ الفاظ سُنے ؂

نہ تھی واقف جو میرے اشتیاقِ بے نہایت سے
نگاہیں ڈھونڈتی ہیں اس نگاہِ بے محابا کو

اس کے بعد دو چار منٹ تک میں کچھ سمجھ نہ سکی۔ پھر یہ الفاظ سنائی دیئے۔

۵ عیاں سب حال ہو جاتا ہماری بے قراری کا
وہ خود بھی دیکھ سکتے کاش اپنے ناز یکتا کو
کسی عنوان صبر آتا نہیں مجھ ناشکیبا کو
الٰہی کیا کروں اس خاطرِ محو تمنّا کو

عین اُس وقت آواز آئی "شفیعہ" بھائی جان کی آواز سُن کر میں اُچھل کر چارپائی سے اُٹھی۔ باہر نکلی۔ اور تشویش انگیز لہجہ میں ان سے پُوچھنے لگی۔ کہ اتنی دیر کیوں ہوئی۔ وہ کہنے لگے "دوائی بنوانے میں دیر ہو گئی"۔ اور پھر چونکہ پہاڑی راستہ تھا اس لئے اندھیرے میں بہت آہستہ آہستہ چلنا پڑا۔

بھائی جان نے مریض کو دوائی پلائی۔ چند لمحوں کے بعد وہ میرے پاس آئے۔ اور کہنے لگے "دوائی پیتے ہی مریض کی بے چینی کم ہو گئی۔ اور اب وہ سو جانے والا ہے"۔

دوسرے روز مریض کی حالت بہت بہتر تھی۔ تیسرے روز اَور بہتر ہوئی اور پانچویں روز مریض اُٹھ کر بیٹھنے لگا۔ چار پانچ روز اور گزر گئے تو مریض چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ اس کے بعد تیسرے یا چوتھے روز بھائی جان نے مجھے کہا "شفیعہ" بہن۔ اب ہمارا مہمان

تندرست ہے ۔ مَیں چاہتا ہوں اسے رخصت کردوں ۔ لیکن بہتر ہوگا ۔ کہ "سیف الملوک" کی بلندیوں سے یہ اکیلا نہ اُترے مَیں اسے کچھ دُور وادیٔ کاغان کی سڑک تک پہنچا آؤں ۔ جہاں سے یہ کسی قافلے کے ساتھ اپنے وطن کو واپس جا سکے ؞

دُوسرے روز علی الصباح بھائی جان اور ہمارا مہمان دونوں آہستہ آہستہ "سیف الملوک" کے کنارے نشیب کی طرف جا رہے تھے ۔ مَیں خیمے کے دروازے پر کھڑی پریشانی سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی ۔ میرا دل بیٹھا جاتا تھا ۔ ٹانگوں میں ہمّت نہ تھی ۔ دماغ پریشان ہو رہا تھا ۔ جوں جوں وہ قدم آگے بڑھاتے تھے ۔ میرا دل گھبراتا تھا ۔ تاآنکہ وہ اچانک نشیب میں اُتر کر میری نظر سے اوجھل ہو گئے ۔ میری آنکھوں سے آنسو گرنے لگے ؞

مَیں خیمہ کے اندر چارپائی پر لیٹ گئی ۔ تپائی پر ایک کتاب پڑی تھی ۔ میں نے بلا ارادہ اس کو اس طرح کھولا گویا وہ دیوانِ حافظ تھا ۔ کہ جسے قسمت کا لکھا معلوم کرنے کے لئے کھولا جاتا ہے ۔ سب سے پہلا شعر جو میری نظر پڑا ۔ یہ تھا ؎

چل بھی دیئے وہ چھین کے صبر و قرارِ دل
ہم سوچتے ہی رہ گئے یہ ماجرا ہے کیا

مَیں اس سے زیادہ کچھ نہ پڑھ سکی۔ کتاب کو تپائی پر رکھ دیا۔ اور جو کچھ گزر چکا تھا۔ اس پر غور کرنے لگی۔ وہ کون تھا؟ کہاں سے آیا تھا؟ کہاں جا رہا تھا؟ ان میں سے کوئی سوال ایسا نہ تھا۔ جس کا جواب مَیں دے سکتی؛

۲۹۔ ستمبر

کل شام کے قریب مَیں کوٹھی کے احاطے میں پسِ پردہ ٹہل رہی تھی۔ کہ اچانک عذرا آ گئی۔ آتے ہی کہنے لگی "شفیعہ! مَیں آج تم سے چند صاف صاف باتیں کہنے آئی ہوں" میں نے کہا "کہو"۔ کہنے لگی "آؤ۔ ذرا دُور ہٹ کر بیٹھ جائیں جہاں قریب دیوار کوئی نہ ہو۔ اس لئے کہ دیوار ہم گوش دارد" ہم دونوں نے بید کی ایک ایک کُرسی اُٹھائی۔ اور کوٹھی سے کچھ فاصلہ پر صحن کے قریباً وسط میں بیٹھ گئے۔ بیٹھتے ہی عذرا بولی "شفیعہ! تمہیں یاد ہے تم میری محبّت کی داستان سُن کر ہنسا کرتی تھیں۔ آج خدا نے مجھے موقعہ دیا۔ کہ مَیں تم پر ہنسوں" میں نے کہا "کیوں کیا ہُوا" وہ بولی "شفیعہ! جس روز سے تم کوہستان کی سیر سے واپس آئی ہو۔ تمہاری حالت کا اندازہ میں نے بخوبی کر لیا ہے۔ یہ کیفیّت انسان کی اسی وقت ہوتی ہے۔ جب کہ عشق کے دیوتا کا تیر اس کے قلب و جگر کو زخمی کر چکا ہو۔

اب تم کو معلوم ہو گیا کہ عشق ایک جذبۂ بے اختیار ہے ÷

مَیں! ہاں بہن۔ تم سچ کہتی ہو۔ اب مجھے افسوس و ندامت ہے کہ میں کیوں تم سے استہزاء کیا کرتی تھی ÷

عذرا۔ کوئی حرج نہیں۔ بہن۔ ناواقفیّت میں انسان جو کچھ کہے یا کرے قابل گرفت نہیں ÷

مَیں۔ تم بھی گرفتارِ محبّت ہو۔ اور مَیں بھی۔ تُم بھی ناکامِ تمنّا ہو۔ مَیں بھی۔ خدا کے لئے یہ تو کہو کہ ہم تم ایسی عورتوں کے لئے محبّت کی یہ کیفیّت کیا رنگ لا سکتی ہے ÷

عذرا۔ بہن تم تو نو گرفتارِ محبّت ہو۔ میں اِس عالم کی پریشانیوں سے ایک مدّت تک مبتلائے آلام رہ چکی ہوں۔ ایک ایسی سوسائٹی میں جہاں عورت اپنی قسمت کی مالک نہیں۔ جہاں اس کی راحت۔ اس کا رنج۔ اس کی پریشانی۔ اس کا سکون سب کچھ دوسروں کا پیدا کیا ہُوا ہو۔ ایک عورت کے لئے زندگی کی راحتوں کا کیا امکان ہے۔ پیاری بہن۔ کیا اچھے تھے وہ دن جب کہ مَیں اور تم دونوں اپنے اپنے گھروں کی چار دیواریوں کے اندر اہلِ دُنیا سے بے خبر خوش و خرّم زندگیاں بسر کر رہی تھیں۔ اور کیا ہی پریشان کُن ہیں یہ روز و شب جبکہ گھروں کے اندر کی محدود

دُنیا ہمارے لئے دلچسپی کے چنداں اسباب پیدا نہیں کر سکتی۔ اور باہر کی دُنیا ہمیں خوفناک دکھائی دیتی ہے۔ مردوں کے لئے تو بیرونِ خانہ کی ہزاروں دلچسپیاں دفع الوقتی کا موجب بن سکتی ہیں۔ ہم خانہ نشینوں کے لئے سوائے اِس کے اَور کیا ہے۔ کہ اپنے دل کی دُنیا میں محدود رہ کر سسکتی رہیں۔ اور سسک سسک کر ہی جان دیدیں ؛

غذرا یہ باتیں کر کے رخصت ہو گئی۔ اور مَیں دردِ محبّت کو کسی کی نشانی سمجھ کر اپنے دل میں پالنے کے لئے اکیلی رہ گئی ؛

کس قدر خوش نصیب ہیں میری وہ بہنیں جنہیں کبھی کسی کی حلاوت نے ازخود رفتہ نہیں بنایا۔ کس قدر بدقسمت ہیں میری وہ بہنیں جو ایک ایسے مرض کا شکار ہو گئیں۔ جس کا علاج ان کی سوسائٹی اپنے اندر نہیں رکھتی۔ کیسی خوش نصیب ہیں وہ عورتیں جن کے دل و دماغ کو گھروں کی چار دیواریاں مصائب و آلام اور پریشانیوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔ اور کیا ہی بدقسمت ہیں وہ عورتیں جو باہر کی دُنیا کی راحتوں سے محظوظ ہونے کے لئے اپنے لئے ہولناک ناکامیوں الم انگیز مایُوسیوں اور جانسوز مصیبتوں کا امکان پیدا کرتی ہیں ؛

۱۵۔ اکتوبر

جس سوسائیٹی کی مَیں ایک فرد ہوں اور جو تمدّن اس سوسائیٹی میں رائج ہے۔ وہ دونوں ایک شریف گھرانے کی ایک شریف لڑکی کے لئے آرام وراحت کا کوئی امکان اپنے اندر نہیں رکھتے۔ اس لئے کہ وہ اپنے دردِ نہاں کا نہ خود چارہ کر سکتی ہے۔ نہ اِس راز کو دوسروں پر آشکارا کر سکتی ہے۔ اس سے بڑھ کر المناک حقیقت کیا ہوگی۔ کہ دل گرفتارِ محبّت ہو۔ لیکن زبان مجبورِ خاموشی ہو۔ اور آنکھیں افشاءِ راز سے خائف۔ ایک اچھّے گھرانے کی اچھّی لڑکی کے لئے زندگی کی سب سے بڑی خوشی ناقابل حصول ہے۔ اس کے لئے اس کے دل کی دُنیا تاریک اور اس کی زندگی الم انگیز محض ہے۔ وہ دل کھو بیٹھنے پر تو مجبور ہو سکتی ہے۔ لیکن دل کی تمنّاؤں اور آرزوؤں کو بر لانے کے لئے جدوجہد کرنا اس کے لئے ناممکن العمل ہے۔ ناچار یہی کہنا پڑتا ہے۔ کہ یا تو سوسائیٹی اس کو بے زبان بنانے میں بڑی ہی ظالم ہے۔ اور یا وہ بڑی ہی بدنصیب ہے۔ کہ اس نے کسی بُرے وقت میں اپنا دل کھویا ؎

مَیں آج غور کرتی ہوں کہ اگر مَیں اِن تک پہنچنے کی یا ان کو اپنے قریب لانے کی کوشش کروں تو اس میں کیا بُرائی ہے۔

کیوں سوسائٹی نے میری ایک اور ایک ہی خواہش کو جس میں بُرائی کا کوئی شائبہ نہیں ناقابلِ حصول قرار دیدیا ۔

۲۲- نومبر

ایک اچھے گھرانے کی ایک "اچھی" لڑکی کے لئے دُنیا باوجود اپنی وسعت کے تنگ و تاریک ہے اس وسیع عالم میں اس کے دل کے لئے کہیں سرور اور اس کی رُوح کے لئے کسی جگہ انبساط نہیں۔ یقیناً اِس کے لئے عشق و محبت ایک مرض ہے۔ایک قسم کا جنون ہے ع کہتے ہیں عشق جس کو خلل ہے دماغ کا۔ ایسے حالات میں اگر مجھ پر دیوانگی چھا جائے۔ تو کیا ہی اچھا ہو۔ ایامِ گذشتہ کی یاد ایک جنونی کے دل و دماغ کو کسی قسم کی تکلیف نہ دے سکے گی۔ اِس لئے کہ جنون کا سب سے بڑا اور سب سے اچھا اثر یہی ہے کہ دماغ سے قوت حافظہ زائل ہو جاتی ہے ۔

۲۵- دسمبر

مرضِ عشق کا سب سے زبردست اثر جو میں نے محسوس کیا یہ ہے کہ پہلے پہل میں نے اِس درد کو اپنے دل میں چھپائے رکھا۔ لیکن آہستہ آہستہ میری ظاہری حالت کا راز عذرا پر بغیر میرے بتائے ظاہر ہو گیا۔ اب مَیں یہ محسوس کر رہی ہوں کہ رازِ محبت کا

دل کی گہرائیوں میں اندر ہی اندر مدفون رہنا ناممکن ہے۔ اب یہ آگ جو رسم و رواج کی راکھ کے اندر دبی ہوئی تھی۔ اندر ہی اندر اس قدر حرارت پیدا کر چکی ہے۔ کہ ذرا سی حرکت کے ساتھ ہی اس کے شعلے دُنیا والوں کے لئے حیرت و استعجاب کا ایک زبردست منظر پیدا کر دیں گے۔ میں اب اپنے آپ میں اس آگ کو دبا رکھنے کی طاقت نہیں پاتی۔ دردِ محبّت نے میرے اعصاب کو کمزور اور میری طاقتوں کو بیکار کر دیا ہے ؎

۴۔ جنوری

یکم جنوری کو بھائی جان مجھے مجبور کر کے سیر کے لئے لے گئے۔ ہمارا موٹر نہر کے کنارے کھڑا تھا۔ بھائی جان کے ایک دوست سیر کرتے اِدھر آ نکلے بھائی جان ان کے ساتھ باتیں کرتے اور چہل قدمی کرتے رہے۔ مَیں موٹر میں بیٹھی رہی۔ اچانک کیا دیکھتی ہوں۔ کہ بائیں ہاتھ کی سڑک پر سے وہ ایک ہمراہی کے ساتھ خراماں خراماں آ رہا ہے۔ میرے مُنہ پہ نقاب تھا۔ اِس لئے وہ مجھے نہ پہچان سکتا تھا۔ مَیں اسے دیکھ رہی تھی ؎

مَیں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ جس قدر رنج و غم میں نے اسے نہ دیکھنے کی صُورت میں اُٹھایا ہے۔ اس سے ہزاروں گنا

زیادہ اندوہ و ملال مجھے اس روز اُسے دیکھنے کی وجہ سے ہُوا۔ دل اور رُوح کا تقاضا تھا کہ تمام پابندیوں کو توڑ کر حسن و محبت کے اس دیوتا کے قدموں میں جا گروں۔ رسوم و رواج اور خاندان اور سوسائٹی کا تقاضا تھا۔ کہ ایک کمزور و ناتواں عورت اپنی انتہائی کمزوری و ناتوانی کے باوجود اپنے آپ پر وہ قابو رکھے۔ جو ایک مرد بھی نہیں رکھ سکتا۔ وہ پہلا روز تھا۔ کہ میں زندگی سے قطعی طور پر مایوس ہو گئی۔ میرا دل بیٹھ گیا۔ میری اُمید ٹوٹ گئی۔ اگر اتنا قریب ہو کر بھی ایک عورت اپنی زندگی کی ایک اور ایک ہی امید سے محروم رہ سکتی ہے۔ تو اس کے لئے پھر اس دُنیا میں زندہ رہنے کے لئے اور کیا رہ گیا ہے؟

میرے دل میں ایک کشمکش تھی۔ وہ ہمارے موٹر کے پاس سے گزر کر نہر کے کنارے آہستہ آہستہ آگے گزر گیا۔ اور یکایک بھائی جان کی آواز نے مجھے چونکا دیا؟

تھوڑی دیر کے بعد موٹر تیز رفتار کے ساتھ جا رہا تھا۔ میری نگاہیں چند لمحوں کے لئے کسی کی تلاش کرتی رہیں۔ لیکن جب جمال دلفروز کا نظارہ ناممکن معلوم ہُوا میں دفعتہً غش کھا کر موٹر میں گر پڑی؟

اِس وقت سے لے کر آج تک میری صحت زیادہ سے زیادہ خراب ہوتی گئی۔ اب مَیں محسوس کرتی ہوں کہ موت قریب آ رہی ہے۔

کاش اِن اَوراق تک اس کی نگہ بھی کبھی پڑ جائے جس کے لئے میں نے اپنی تمام خوشیاں اور مسرتیں ملیا میٹ کر دیں۔ کاش وہ جس کے ایک جلوہ ہوشربا نے میری زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ میری قبر پر آئے اور اپنے فراق میں خاموشی کے ساتھ مر جانے والی جانِ ناتواں کو بعد از مرگ سکون و اطمینان دلا جائے۔

آہ سیف الملوک کے کنارے گزرا ہُوا وہ لمحہ۔ جب کہ مَیں پانی کا گلاس ہاتھ میں لئے اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

انجامِ ہوس

موپساں کے افسانہ "اِن پورٹ" سے ماخوذ

(۱)

اوّل اوّل ادبِ لطیف کے مطالعہ نے اور پھر تھیٹر اور سینما کی سیر نے اس کے دل میں یہ شوق پیدا کر دیا تھا۔ کہ وہ ہو اور ایک پری پیکر شُعلہ رُو اس کے سامنے بیٹھی ہو۔ راز و نیاز کی باتیں ہوں۔ عشق و محبت کی گفتگو ہو۔ ایک طرف انتہاء ناز ہو۔ اور دوسری طرف انتہاء عجز و نیاز۔ ایک جانب سے استغناء کا اظہار ہو رہا ہو۔ اور دوسری طرف سے سب کچھ نذرِ حسن کرنے کا شوق ظاہر ہوتا ہو ۔

(۲)

وہ مدتوں تک دُنیا کے مختلف مُلکوں میں پھرتا رہا ۔

وہ برسوں شہروں کے گرد و نواح میں باغات کی سیر کرتا رہا۔

تاریخی عمارات کو امعانِ نظر کے ساتھ دیکھتا رہا۔ سینکڑوں بار اس نے عظیم الشان ہوٹلوں میں پارٹی پی۔ ہزاروں بار وہ سینما کی تصاویر دیکھنے گیا۔ ظاہر بین نگاہیں سمجھتی تھیں۔ کہ وہ زندگی کا ہر لطف اٹھا رہا ہے۔ اسے طمانیتِ قلب اور سرورِ رُوح حاصل ہے۔ لیکن اس کی نگاہ ہمیشہ مصروفِ تلاشِ حسن و محبت رہی۔ وہ آثارِ قدیمہ کے نقش و نگار دیکھتے ہوئے تلاش کرتا تھا۔ تو ایک جیتی جاگتی۔ ہنستی بولتی۔ محوِ خرامِ ناز ہستی کی جو اس کے دل کو چھین کر اس کے سینے میں بے قراری اور بے چینی کی ایک آگ بھر دے۔ وہ شہر کے پُرفضا باغات میں مصروفِ گلگشت ہوتا۔ لیکن اس کی آنکھیں کسی فتنہ کی جویا رہتیں ...... وہ برسوں تلاش میں رہا لیکن اس کی تلاش اگر نتیجہ ہوئی تو ناکامی و نامرادی پر۔

(۳)

وہ جس روز پہلی بار حسن و محبت کی تلاش میں نکلا تھا۔ اس کے ذہن میں یہ خیال راسخ تھا کہ حسن و عشق کا سامنا ہوتے ہی اس کے گرد کی مادی دُنیا مبدل بہ جنت ہو جائے گی۔ عالمِ مادی ایک صُورتِ روحانی حاصل کر لے گا۔ اِس دُنیا کی ٹھوس اشیاء ایک آسمانی لطافت پالیں گی اور اس لطیف رُوحانی فضا و ماحول میں وہ اور کوئی اور سچے رفیق اور غمگسار بنے ہوئے آسمان کی بلندیوں میں اُڑتے چلے جا رہے ہونگے۔

دُنیا والوں کی نظریں ان کی پرواز دیکھ رہی ہوں گی۔ اور ان کے قلوب حسد و رشک کی ہولناک آگ میں جل رہے ہونگے۔ یہ صورتِ حالات پیدا ہوتے ہی اس کا اپنا قلب ایک دم وہ سکون و اطمینان پا جائیگا جس کی خواہش ہر فانی انسان کو رہتی ہے۔ لیکن جس سے وہ محروم رہ کر دُنیا سے نامراد و ناکام اُٹھ جاتا ہے۔ اسی ادھیڑبن میں وہ ہر طرف پھرتا رہا۔ آئندہ روندمیں سے ہر صورت کی طرف وہ نظر اُٹھاتا۔ ہر چہرہ پر نظر دوڑاتا۔ لیکن کہیں سے اس کی دعوت پر صدائے لبیک نہ اُٹھتی۔ کسی طرف سے اس کی متلاشی نگاہوں کا اطمینان بخش جواب نہ آتا،

(۴)

برسات کی ایک دلکش دوپہر تھی۔ گرمیوں کا آفتاب جس کی تمازت سے عالمِ انسانی میں ایک طوفان برپا تھا۔ اس روز ابرِ غلیظ کا پردہ اوڑھے تھا۔ مُوسلا دھار بارش ہو چکی تھی۔ اور اب ایک گھنٹے سے کامل طور پر تھمی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ درختوں کے پتوں پر سبزی ایک نئی شان دکھا رہی تھی۔ رنگ رنگ کے پھول نہا دھو کر اپنی اصلی حالت پیش کر رہے تھے۔ شہر لاہور کے مضافات میں مقبرہ جہانگیر کا ماحول ہوشربا بن رہا تھا

عمارت کے گرد فرش سبزاور عمارت کی چھت پر رنگین پتھروں کا قالین جاذب نظر ہورہا تھا۔ وہ باغ کے شمال مغربی حصّہ میں ایک بنچ پر بیٹھا مقبرہ کی عظیم الشان عمارت کو دیکھ رہا تھا۔ کبھی اس کی نظر سُرخ دیواروں پر سنگ مرمر کی گُلکاری پر پڑتی تھی۔ اور کبھی میناروں کے اُن پتھروں پر جو ان کے گرد مختلف رنگوں کی لہریں پیدا کررہے تھے۔ کبھی وہ درختوں پر چہچہانے والے پرندوں کی پُرکیف صدائیں سُنتا اور کبھی وہ ارد گرد کے تختوں میں نظر آنے والے شوخ رنگ پھولوں کو دیکھ کر صانع حقیقی کی صنعت و قدرت پر تحسین و آفرین کہتا کبھی اس کی نگاہ سامنے کھجور کے بلند قامت درختوں پر پڑتی اور وہ چاہتا کہ ان سے علو ہمّتی اور بلند خیال کا سبق لے۔ کبھی وہ بائیں طرف قطار در قطار لگے ہوئے سرو کے پودوں کو دیکھتا اور ان کے قد رعنا سے رعنائی خیال کا تصوّر پیدا کرتا۔ اُس کی توجہ کبھی فرش کے سبزہ کی طرف منعطف ہوتی اور اس سے وہ عجز و انکسار سیکھتا اور کبھی مقبرہ کے بلند میناروں کو دیکھ کر وہ استقامت کا خیال دل میں لاتا غرض ماحول کی ہر چیز میں اس کے لئے سامانِ صد ہزار دلچسپی موجود تھا۔ لیکن اس کے دل و دماغ میں ایک ہاتھ نہ آنے والی چیز کی تلاش متواتر موجود تھی۔

(۵)

دوپہر ختم ہو کر شام ہونے والی تھی۔ آفتاب وہی ابر غلیظ کی چادر اوڑھے افقِ مغرب کے قریب پہنچ چکا تھا۔ موسم میں زیادہ خنکی پیدا ہو چکی تھی۔ اس نے کوٹ پہنا۔ ٹوپی سر پر رکھی چھڑی ہاتھ میں لی۔ اور اس خیال سے اُٹھنا چاہا کہ اب مایوسی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ اب ناکام گھر کو لوٹنا چاہیئے۔ وہ اُٹھا اور سیدھا باہر جانے کے خیال سے دائیں ہاتھ کو مڑا۔ اچانک اُسے محسوس ہوا کہ مقبرہ کے برآمدہ میں شمال مغربی مینار کے قریب ایک متحرک جسم انسانی رنگین لباس میں ملبوس موجود ہے۔ وہ بلاارادہ اِدھر مڑا۔ چشم زدن میں وہ ایک نقاب پوش صورت کے سامنے پہنچ گیا۔ اس کے پاؤں کی آہٹ سن کر نقاب پوش نے نقاب رُخ پر سے اُٹھایا۔ اس کی طرف نگاہ ڈالی دیکھا اور پھر چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ اس کی زبان سے فوراً یہ الفاظ نکلے "غالباً آپ کسی تلاش میں ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو میں مدد کروں۔" جواب ملا "جی ہاں۔ تلاش تو ہے" ایک لمحہ کے اندر اس کے دماغ میں سینما کی تصویر کی طرح ہزاروں تصورات یکے بعد دیگرے آئے اور گزر گئے۔ اور اس نے محسوس کر لیا کہ جس گوہرِ مقصد کی اسے

تلاش تھی وہ آج مل گیا ÷

(۶)

مقبرہ کی بیرونی ڈیوڑھی سے روانہ ہو کر ایک خوبصورت موٹر دریا کے پل پر سے گزر رہا تھا۔ نقاب چہرے سے اُٹھاتے ہوئے ایک حسینہ اپنے ساتھ بیٹھنے والے نوجوان کے لئے فرحت وانبساط کا وہ سماں پیدا کر رہی تھی۔ جس کے لئے ایک مرد دُنیا کی ہر متاع عزیز قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ دونوں کے چہروں سے انتہائی سکون و اطمینان ٹپک رہا تھا۔ دوشیزہ کے چہرے سے خمار حسن اور نوجوان کے چہرہ سے مستی شوق کا اظہار ہوتا تھا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد موٹر ایک رفیع الشان عمارت کے سامنے ٹھہر گیا۔ جس کی دیواروں پر آویزاں تختوں سے ظاہر ہوتا تھا۔ کہ بلند یا یہ ہوٹل ہے۔ وہ دونوں موٹر سے اُترے اور ہوٹل میں داخل ہو گئے ÷

(۷)

رات کے نو بجے موٹر دونوں سرمستانِ عشق و محبت کو لئے ہوئے ہوٹل سے سینما ہال کی خوبصورت عمارت کی ڈیوڑھی میں ٹھہرا دونوں جگمگاتی ہوئی عمارت کی مرمریں سیڑھیوں پر سے گذرتے ہوئے درجہ خاص کے بکسوں کی طرف مڑے۔ اور پسِ پردہ بیٹھ کر محو تماشا ہو گئے۔

بارہ بجے شب کو تماشا ختم ہُوا۔ اور موٹر دونوں کو لئے چڑیا گھر کے متصل باغات کا چکّر لگانے لگا۔ چاند نکل چکا تھا۔ تمام باغ اس کی نُوراتی روشنی سے بقعۂ نُور بنا ہُوا تھا۔ درخت۔ سبزہ۔ پھُول ہر چیز پر ایک نئی بہار چھا رہی تھی۔ جس سے متاثر ہو کر یہ طے پایا کہ کچھ وقت پھر مقبرۂ جہانگیر کی دلفریب اور ہوشربا فضا میں صرف کیا جائے ۔۔

(۸)

رات کے ایک بجے دونوں ہاتھوں میں ہاتھ دیئے مقبرے کی چھت پر ٹہل رہے تھے۔ دن کی روشنی میں اشیاء کے جو عیوب نظر آتے تھے اب چھپ گئے تھے۔ ٹُوٹے ہوئے پتّھروں کے آثار اب بغیر خاص کوشش کے نظر نہ آ سکتے تھے۔ اِس لئے ہر طرف بے لاگ حسن کا دور دورہ تھا۔ حسین چہروں کے حسن پر چاندی کی روشنی نے نُور کے ساغر لنڈھا دیئے تھے غائر نظر اور حساس دل رکھنے والا انسان ہر قدم پر فطرت کے لازوال حسن کی شراب کے نشہ میں سرشار ہو رہا تھا۔ دیر تک دونوں مقبرے کی چھت پر چاندنی میں لُطف اُٹھاتے رہے اور ہر لحظہ اپنے آپ کو ایک دوسرے کے زیادہ قریب پانے لگے ۔۔

(۹)

سُورج افقِ مشرق سے نمودار ہو کر محوِ خواب دُنیا کو جگا چُکا تھا۔ فکرِ معاش رکھنے والے انسان افکارِ دُنیوی میں مُنہمک ہو چکے تھے۔ شہر میں ہر طرف چہل پہل تھی۔ گاڑیوں اور موٹروں کا ہر طرف شور بپا تھا۔ اتنا دن چڑھے شب بھر محوِ عیش و عشرت رہنے والے بے خبر پڑے تھے۔ آخر کار نوکر نے دروازے پر جب آواز دی۔ "کہ صاحب چاء تیار ہے" نوجوان آنکھیں ملتا ہُوا اُٹھا۔ دروازہ کھولا۔ چائے کا طشت ملازم سے لے کر چارپائی کے قریب پڑی ہوئی ایک تپائی پر رکھا اور پھر اپنی رفیقۂ شب کو جگانے لگا۔ وہ اُٹھی اور اُٹھتی ہوئی فتنہ خوابیدہ کے بیدار ہونے کا سماں دکھانے لگی۔ نوجوان جس کا دل اس کے حسن کے نشہ میں سرشار تھا۔ دل پر نئے چرکے کھانے لگا۔ چائے نوشی ہوئی اس کے بعد باہر جانے کی تیاری شروع ہوئی۔ مشاطگی کا مکمل سامان ہُوا۔ آرائش نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ وہ جب کمرے میں ایک طرف سے دوسری طرف جاتی نوجوان کے لئے قیامت بپا ہو جاتی وہ جب سُرمہ سا آنکھیں اس کی طرف پھیرتی وہ مدہوش ہو جاتا۔ اس کا ہاتھ جب کسی چیز کو پکڑنے کے لئے میز کی طرف اُٹھتا نوجوان اس کی حرکت پر مرمٹتا۔ جب ہر طرح تیاری ہو چکی

تو دونوں ایک نرم و نفیس صوفے پر بیٹھ گئے۔ نوجوان کا بایاں بازو دوشیزہ کی گردن کے گرد تھا۔ اور دوسرا ہاتھ اس کے دونوں نازک ہاتھوں کو تھامے ہوئے۔ دیر تک دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے کے چہرے کی طرف لگی رہیں۔ اور دونوں کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہی۔ بالآخر یہ گفتگو شروع ہوئی +

دوشیزہ۔ تو آپ ایک ماہ ہوا کہ جہاز سے اُترے ہیں +

نوجوان۔ جی ہاں +

دوشیزہ۔ اور جہاز کا نام سٹی آف ہیرس تھا +

نوجوان۔ جی ہاں۔ سٹی آف ہیرس +

دوشیزہ۔ اور آپ اس جہاز پر دو برس ملازم رہے ہیں +

نوجوان۔ جی ہاں +

دوشیزہ۔ تو کیا آپ نے کبھی صفدر نامی ایک نوجوان کو اس جہاز پر دیکھا تھا +

نوجوان اس نام کو سن کر متعجب ہوا۔ دوشیزہ خاموش ہو گئی۔ حیرت و استعجاب اور خاموشی کا یہ عالم ایک طویل عرصہ تک طاری رہا۔ بالآخر نوجوان نے کہا۔

"جی ہاں۔ میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں" +

یہ کہتے ہوئے نوجوان نے جیب میں سے اپنی ڈائری نکالی۔ اور اس کا پہلا صفحہ کھول کر اپنے سامنے رکھا۔ اُس پر مالک کا نام "صفدر" لکھا تھا۔

دوشیزہ خاموش تھی۔ اس کے چہرے پر عرق انفعال تھا۔ نوجوان زیادہ حیرت و استعجاب سے بولا۔

"کہئے اگر اسے کچھ پیغام دینا ہو تو میں پہنچا سکتا ہوں۔ مجھے ایک ہفتے کے بعد پھر جہاز پر سوار ہونا ہے"۔

دوشیزہ "نہیں"۔

نوجوان - لیکن آپ اسے کیونکر جانتی ہیں۔

دوشیزہ خاموش تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کوئی حقیقت چھپائے رکھنا چاہتی ہے۔ نوجوان مصر تھا۔ اور وہ جھجک رہی تھی۔ آخر نوجوان نے کہا۔

"کیا شب بھر کی رفاقت اور اس قدر طویل مسرّت و انبساط نے ہمارے لئے ایک دوسرے کا کامل رازداں بننے کا امکان پیدا نہیں کر دیا"۔

دوشیزہ مسکرائی اور اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

"میں اس کی بہن ہوں"۔

نوجوان کے مُنہ سے ایک خوفناک چیخ نکلی۔ اس کی زبان سے نکلا "سلمیٰ! تم ہو" اور وہ غش کھا کر صوفے سے نیچے گر پڑا +

(۱۰)

نوجوان صوفے پر لیٹا ہُوا تھا۔ دوشیزہ اس کے قریب زمین پر بیٹھی اس کا سر دبا رہی تھی +

نوجوان۔ "سلمیٰ! تم اِس حالت میں کیونکر پھنسی"؟

سلمیٰ۔ بھائی صفدر۔ آج سے پندرہ برس پیشتر جب تم گھر سے ناراض ہو کر چلے گئے تھے۔ ہم والد اور والدہ ایک مدّت تک تمہاری جُدائی میں بیقرار رہے۔ قریباً ایک سال بعد سُننے میں آیا کہ تم ساحل بمبئی سے جہاز میں ملازم ہو کر کہیں چلے گئے۔ اس کے بعد کوئی خبر نہ ملی۔ والدہ تمہاری جُدائی کا صدمہ برداشت نہ کر سکیں اور مزید چھ ماہ کے بعد راہئیِ ملکِ بقا ہو گئیں۔ والد نے بھی ان سے ایک سال بعد ہیضہ کے عارضہ سے انتقال کیا۔ میں چھ برس تک ہمسایوں کے ہاں رہی۔ وہ مجھے اپنے بچوں کی طرح پیار کرتے تھے۔ لیکن ان کا بڑا لڑکا میری طرف بُری نظر سے دیکھنے لگا۔ میں ڈری اور ڈر کے مارے وہاں سے بھاگ کر ایک اور شہر میں پہنچی۔ میری عُمر اب چودہ برس کے قریب تھی۔

راس لئے کہ جب تم گئے تھے میں ۵ برس کی تھی۔ اس نئے شہر میں مجھے نئی مصیبت کا سامنا ہوا۔ دو روز مجھے بھوکا رہنا پڑا۔ ایک دن میں شام کے قریب باہر باغ میں غمگین صورت بیٹھی تھی۔ کہ ایک نوجوان عورت میرے پاس سے گزری۔ میں نے اس کی طرف بڑی عاجزی سے دیکھا وہ متاثر ہوئی اور میری پرسانِ حال ہوئی۔ جب میں نے اسے اپنا قصہ سنایا تو وہ بڑی محبت سے پیش آئی اور ساتھ چلنے پر آمادہ کر لیا ؛؛

ایک خوبصورت مکان میں وہ مجھے لے گئی۔ میرے پھٹے ہوئے کپڑے بدلوا کر اس نے مجھے بڑے خوبصورت نفیس کپڑے پہنائے پُر تکلف کھانا کھلایا۔ اور رات بسر کرنے کے لئے ایک پُر تکلف کمرہ دیا۔ آدھی رات کے قریب میرے کمرے میں وہ آئی اور یہ کہہ کر ایک مرد میرے کمرے میں چھوڑ گئی کہ ان سے اچھی طرح پیش آنا ؛؛

دوسرے دن سے میں ایک امیرانہ زندگی بسر کرنے لگی۔ میرے ہاتھ سیم و زر لوٹنے لگے۔ تا آنکہ کل تم ملے ؛؛

نوجوان بدستور صوفے پر لیٹا ہوا تھا۔ سلمیٰ متواتر اس کا سر دبا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہ رہا تھا۔ صفدر کی آنکھیں ظاہر کر رہی تھی کہ خوفناک حالات میں سے گذر چکنے کے باعث خشک ہو چکی

ہیں۔ اور اب ان میں ایک ہیبت پائی جا رہی تھی۔ طویل خاموشی کے بعد وہ بولا:۔

"مَیں جب تمہیں چھوڑ کر گیا تھا۔ تُم صرف پانچ برس کی تھیں۔ اب تم اس قدر بدل چکی ہو کہ مَیں تمہیں پہچان نہ سکتا تھا۔ لیکن تُم کو تو مجھے فوراً پہچان لینا چاہیئے تھا۔ جب مَیں گھر سے گیا تھا۔ میری عمر اٹھارہ برس کی تھی۔ پندرہ برس میں میری صُورت میں کوئی نمایاں فرق پیدا نہیں ہو سکا"۔

سلمیٰ خاموش تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا ایک نیا سیلاب اُمنڈ آیا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ گو بالعموم ایک عورت اپنی مرضی یا خوشی سے آنسو بہانا شروع اور بند کر سکتی ہے۔ لیکن اس وقت اس گناہ سے نادم ہو رہی تھی۔ انسانی ضمیر آخر وقت تک گنہگار کو گناہ کا احساس کرانا چاہتا ہے اور اس وقت دس برس تک گناہ کی زندگی بسر کرنے کے بعد قُدرت کے خوفناک انتقام نے اس کے دل و دماغ میں پشیمانی اور ندامت کے احساسات پیدا کر دیئے تھے۔ آخری سوال پر وہ کسی قدر سوچ میں پڑ گئی۔ دیر تک غور میں منہمک رہنے کے بعد اس نے سر نیچا کیئے۔ نظر زمین پر گاڑے۔ پیشانی کو ایک ہاتھ سے سہارا دیئے ایک ہاتھ سے بھائی کا سر دباتے ہوئے کہنا

شروع کیا۔

"تم شائد سمجھ رہے ہو کہ میں تمہاری صورت پر غور کرتی رہی ہوں لیکن جو زندگی میں نے گذشتہ دس سال میں گزاری ہے۔ اس نے مجھے اِس بات کا عادی بنا دیا ہے کہ میں ہر شخص سے ایسا سلوک کرتے ہوئے جس سے وہ پورے طور پر متاثر ہو خود کبھی متاثر نہیں ہوئی۔ میرے لئے تمام مرد یکساں ہو چکے تھے۔ صورتوں کا اختلاف۔ لباس و عادات و اطوار کے اختلافات میرے لئے کوئی اہمیت نہ رکھتے تھے۔ میں کبھی کسی شخص کی شخصیت کی طرف راغب ہی نہیں ہوئی۔ میرے لئے ہر شخص کی جیب ہی جاذب توجہ ہوا کرتی تھی"۔

دونوں کی آنکھوں سے آنسو بہے چلے جا رہے تھے۔

مطبوعہ

انتظامی پریس حیدرآباد دکن

قرآنِ پاک

کا پڑھنا کارِ ثواب

اس کا سمجھنا موجبِ خیر و برکت

اور

اس پر عمل کرنا ذریعۂ نجات

ہے!